معارف

نومبر ۲۰۱۶ء

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپئے۔ فی شمارہ ۲۵/روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپئے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپئے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Office Mobile) 09170060782

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری/منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۹۸ | ماہ صفر المظفر ۱۴۳۸ھ مطابق ماہ نومبر ۲۰۱۶ء | عدد ۵

فہرست مضامین

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

شذرات

یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔حکومتِ وقت کے علاوہ تجدد پسند اوران سے بھی زیادہ تملق پسند مسلمانوں کی طرف سے بھی وقتاً فوقتاً اس کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔البتہ اس وقت صورت حال پہلے سے بہت مختلف ہے۔اس کا بنیادی سبب مسلمانوں کے سلسلہ میں حکمراں پارٹی کا مخصوص طرز فکر ہے جو ہر اس چیز کے خلاف ہے جس سے مسلمانوں کا مذہبی، ملی اور تہذیبی تشخص عبارت ہے۔اس طرز فکر کی جڑیں ان کے فلسفہ حیات میں پیوست ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں کے ہاتھوں گجرات سے مظفرنگر تک مسلم خواتین پر جو کچھ گذری اس پر ان کو نہ تو ندامت کا احساس ہے نہ افسوس، البتہ اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ ظلم ان کی انسانیت دوستی کے لیے نا قابل برداشت ہے۔ان کے خیال میں مسلم پرسنل لا مسلم معاشرہ کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہ وہ لوگ کہہ رہے ہیں جو آج بھی اپنی خواتین کو وہ بنیادی حقوق نہیں دے سکے ہیں جو اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے دے چکا تھا۔فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، مسلمانوں کے جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت، معاشی اور تعلیمی پس ماندگی کا تدارک، روزگار اور ملازمت کے حصول کے لیے یکساں مواقع کی فراہمی، مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار جیسے سلگتے ہوئے مسائل کے سلسلہ میں ان کا نقطہ نظر نہ صرف منفی بلکہ معاندانہ ہے۔قومی یکجہتی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ملک میں بسنے والے مختلف طبقات اپنے مذہبی اور تہذیبی تشخص سے دست بردار ہو جائیں اور سب ایک رنگ میں رنگ جائیں۔قومی یکجہتی یک دوسرے کے مذہب اور تہذیب و ثقافت کے لیے باہمی احترام، رواداری اور خیر سگالی سے عبارت ہے۔ ہندوستان جیسے سیکولر اور تکثیری ملک میں جہاں بہت سی قومیتیں اور مذاہب پائے جاتے ہیں، یکساں سول کوڈ کا نفاذ ایک غیر دانش مندانہ عمل ہے۔ ہر مذہب کے ماننے والوں اور مختلف تہذیبی اکائیوں کو اس بات کی مکمل آزادی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے مخصوص مذہبی اور تہذیبی تشخص کے ساتھ زندگی گذار سکیں۔ ہندوستان میں اپنے دورِ حکومت میں مسلمانوں نے یہی طرز عمل اختیار کیا اور یہاں کے باشندوں پر کبھی بھی اپنے مذہبی اور تہذیبی نظریات واقدار کو مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔ذات پات کا نظام، چھوا چھوت اورستی جیسے معاملات میں بھی جو اسلام کی بنیادی روح اور اساسی تعلیمات کے یکسر خلاف تھے، کبھی کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔مسلم پرسنل لا کوئی سماجی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یکسر مذہبی مسئلہ ہے اور مسلمان مذہب کے

معاملہ میں کبھی کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔

معارف کا سو سال کا کامیاب اور کامران سفر اردو صحافت کی تاریخ میں ایک ایسا غیر معمولی واقعہ ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ علم و دانش اور تحقیق و تنقید کے میدان میں اس کی حصول یابیوں، خدمات اور اولیات کی فہرست بہت طویل ہے۔ علمی خدمات کے ساتھ ساتھ اس کی ملی خدمات کا دائرہ بھی بہت متنوع اور وسیع ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے دامن میں اسلامیانِ برِ صغیر کی سو سال کی تاریخ سمیٹے ہوئے ہے۔ حق تو یہ تھا کہ اس کی زندگی کے اس موڑ پر اردو دنیا کے طول و عرض میں ان خدمات کو یاد کیا جاتا اور اس کے ان اکتسابات کا شایان شان انداز میں جشن منایا جاتا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اندر اپنی بڑی کامیابیوں پر خوش ہونے کا حوصلہ بھی باقی نہیں رہا۔ نجیب آباد کے معارف شناس احباب کے لیے یہ صورت حال قابل قبول نہیں تھی۔ چنانچہ انہوں نے معارف کی اس عظیم الشان کامیابی پر ایک جشن کے اہتمام کا فیصلہ کیا۔ ضلع بجنور کا یہ پورا خطہ اپنی علمی اور تہذیبی روایات کے لیے معروف و مشہور ہے۔ خود نجیب آباد کو دوسرے اہل علم کے علاوہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اور تاجور نجیب آبادی جیسی شخصیات کے مولد و مسکن ہونے کا فخر حاصل ہے۔

اس مہم کے روح رواں جناب نوشاد احمد انصاری اور جناب شہزاد انصاری تھے۔ دونوں بھائیوں نے مسلم یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ نوشاد انصاری صاحب لکھنؤ میں اور شہزاد انصاری صاحب دہلی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ ان کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جو سماجی خدمات کے لیے جانا جاتا ہے۔ ان کے والد ماجد شفیق احمد انصاری صاحب مرحوم علاقہ میں اپنی سماجی اور سیاسی خدمات کے لیے اب بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ ان حضرات نے اپنے والد کی سماجی خدمات کی روایت کو باقی رکھنے اور اس کو آگے بڑھانے کے مقصد سے ان کی یاد میں شفیق احمد انصاری ٹرسٹ قائم کیا اور اس کے پلیٹ فارم سے سماجی اہمیت کے پروگرام کرتے رہتے ہیں۔ دارالمصنّفین اور معارف کے قدر شناس ہیں اور اسی خصوصی تعلق خاطر کی وجہ سے انہوں نے فیصلہ کیا کہ معارف کی اس عظیم الشان کامیابی کی مناسبت سے نجیب آباد میں ایک جشنِ معارف کا اہتمام کیا جائے اور اس طرح اس کمی کی تلافی کی جائے جو اردو دنیا کی طرف سے اس سلسلہ میں ہو رہی ہے۔ چنانچہ ۲/اکتوبر کو شفیق احمد انصاری ٹرسٹ کی جانب سے ”معارف کا سو سالہ

سفر۔اردو صحافت کا سنگ میل'' کے عنوان سے ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔یہ پروگرام شہر کے ایک بڑے ہال میں بڑے اعلیٰ پیمانہ پر منعقد کیا گیا اور معارف کی خدمات کو یاد کرنے کے لیے ایک بہت خوبصورت مجلس آراستہ کی گئی جس میں معارف کی گونا گوں خدمات کا تعارف بھی کرایا گیا اور ان کا اعتراف بھی کیا گیا۔اس محفل کو رونق بخشنے کے لیے اتراکھنڈ، میزورم اور یوپی کے سابق گورنر جناب عزیز قریشی صاحب مہمان خصوصی کی حیثیت سے بڑی زحمت اٹھا کر تشریف لائے۔مہمانان اعزازی کی حیثیت سے مولانا آزاد یونیورسٹی، جودھپور کے وائس چانسلر پروفیسر اختر الواسع صاحب اور علی گڑھ سے پروفیسر ہمایوں مراد صاحب نے شرکت فرمائی۔شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق صدر اور دارالمصنّفین کی مجلس انتظامیہ کے رکن پروفیسر خالد محمود صاحب اور مولانا ابوالکلام آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے لکھنؤ کیمپس سے ڈاکٹر عمیر منظر نے اس مجلس مذاکرہ میں حصہ لیا۔اس یادگار تقریب کی صدارت کی عزت دارالمصنّفین کے اس خادم کو دی گئی۔نظامت ڈاکٹر شارق عقیل صاحب نے کی۔ڈاکٹر صاحب نجیب آباد سے تعلق رکھتے ہیں اور مسلم یونیورسٹی میں بحیثیت میڈیکل آفیسر برسر کار ہیں۔اپنی پیشہ وارانہ لیاقت کے علاوہ یونیورسٹی میں ان کی شناخت علمی اور ادبی مجلسوں کے ایک کامیاب ناظم کی ہے۔راقم حروف اور پروفیسر ہمایوں مراد نے علی گڑھ سے نجیب آباد کا پرلطف سفر ڈاکٹر صاحب کی رہنمائی میں کیا اور ان کی شیریں گفتاری سے محظوظ ہوتے رہے۔شاہنواز فیاض صاحب، ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے تلاوت کلام اللہ کا فریضہ انجام دیا۔اس موقع پر معارف کی اشاعت کے سوسال مکمل ہونے کی مناسبت سے شائع کیے جانے والے خاص نمبر ''ہندوستانی مسلمان شذرات معارف کے آئینہ میں'' دونوں جلدوں کا اجراء کیا گیا۔اس موضوع کی بازگشت مختلف مقررین کی گفتگو میں سنائی دی۔شبلی اکیڈمی کی طرف سے نوشاد انصاری صاحب کو سیرۃ النبیؐ کی پہلی دو جلدوں کا یادگار ایڈیشن پیش کیا گیا۔نوشاد انصاری صاحب نے اس علمی مجلس میں شرکت کے لیے باہر سے آنے والے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور جشن معارف کی ضرورت اور غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔جن مقامی مقررین نے اظہار خیال کیا ان میں حافظ رئیس احمد صاحب، سید ہاشم صاحب، محمد عارف خاں صاحب، ایڈوکیٹ ہرپال سنگھ صاحب، قاضی ارشد مسعود صاحب اور محمد ضیغم صاحب شامل تھے۔آخر میں شہزاد انصاری صاحب نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔یہ ایک یادگار تقریب تھی جس کی خوش گوار یاد تا دیر دل میں باقی رہے گی۔

مقالات

حنفی فقہا اور قیاس پر ترجیح حدیث وآثار

ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر

فقہائے احناف کے منہج اجتہاد پر اٹھائے جانے والے متعدد اعتراضات میں رائے اور قیاس کو احادیث وآثار پر فوقیت دینے کا اعتراض سب سے اہم اور نمایاں ہے اور امام ابوحنیفہؒ پر یہ تنقید خود ان کی زندگی میں ان کے بہت سے معاصرین کی زبان سے تاریخ کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے کہ ان کے ہاں احادیث وآثار کے مقابلے میں رائے اور قیاس کو ترجیح دینے کی ایک عمومی روش پائی جاتی ہے۔

تاہم ائمہ احناف کے منہج استدلال کے براہ راست مطالعہ سے اس تاثر کی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ حدیث وسنت کی اہمیت اور مقام مرتبہ اور رائے وقیاس کے مقابلے میں اس کے مقدم ہونے میں نہ صرف یہ کہ ائمہ احناف سے واضح اور صریح اقوال منقول ہیں، ان کے اصول اجتہاد میں بھی اس بنیادی رجحان کی جھلک بے حد نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اس خیال یا تاثر کی کوئی تائید ائمہ احناف کے اپنے موقف اور منہج اجتہاد سے نہیں ہوتی کہ وہ قابل اطمینان روایات کے مقابلے میں رائے اور قیاس کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں یا یہ کہ ان کے ہاں روایات کو نظر انداز کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس فقہی مسائل پر بحث کے دوران میں فقہائے احناف کے ہاں اس اصول کی تصریحات جابجا ملتی ہیں کہ کسی مسئلے میں حدیث اور اثر کے ہوتے ہوئے رائے اور قیاس کی نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ مثال کے طور پر زندہ جانور کو ادھار فروخت کرنے کی بحث میں امام محمدؒ لکھتے ہیں:

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ۔

قد جاءت فی عدم جواز بیع الحیوان نسیئة آثار کثیرة لا یحتاج معها الی نظر و قیاس (۱)	جانور کو ادھار فروخت کرنے کے عدم جواز سے متعلق بہت سی روایات منقول ہیں جن کے ہوتے ہوئے رائے اور قیاس کی ضرورت نہیں۔

ایک اور بحث میں لکھتے ہیں:

والآثار فی ذلک اکثر من ان یحاج فیھا الی رای (۲)	اس مسئلے میں آثار اتنی کثرت سے مروی ہیں کہ رائے کی طرف رجوع کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

سرخسی نے احناف کے فقہی اصول کی وضاحت یوں کی ہے:

ان القیاس لا یصلح معارضا للخبر الواحد عندنا ولھذا اخذنا بالخبر الواحد الموجب للوضوء عند القھقھة فی الصلاة و ترکنا القیاس به و ابو حنیفة اخذ بخبر الواحد فی الوضوء بنبیذ التمر و ترک القیاس به (۳)	ہمارے نزدیک قیاس خبر واحد کے معارض نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے ہم نے اس خبر واحد کو اختیار کیا ہے جو نماز میں قہقہہ لگانے پر وضو کو واجب کرتی ہے، جبکہ قیاس کو ترک کر دیا ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ نے کھجور کی نبیذ سے وضو کرنے کے متعلق خبر واحد کو اختیار کیا ہے جبکہ قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

ائمہ احناف کے ہاں رائے اور قیاس کو احادیث و آثار کے مقابلے میں ترجیح حاصل ہونے کے مفروضے یا الزام کی تردید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ ان کی آرا میں جا بجا ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں وہ اپنے طے شدہ اصول کے مطابق کسی مسئلے میں رائے اور قیاس کو حدیث یا کسی صحابی کے فتوے کے پیش نظر ترک کرتے ہوئے اپنی رائے کی بنیاد ماثور روایات و اقوال پر رکھتے ہیں اور اس بات کی باقاعدہ تصریح کرتے ہیں کہ ان کے فہم کے مطابق اس مسئلے میں قیاس کا تقاضا تو یہ تھا، لیکن انھوں نے کسی حدیث یا کسی صحابی کے فتوے کے پیش نظر قیاس کو ترک کر دیا ہے اور حدیث پر اپنی رائے کی بنیاد رکھی ہے۔ ذیل کی سطور میں اکابر فقہ حنفی کی بنیادی کتابوں میں موجود مثالوں سے اس اصول کی اہمیت اور اس کے دائرۂ انطباق کی وسعت کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

۱۔ امام ابوحنیفہ کی مشہور رائے ہے کہ نماز کی حالت میں ہنسنے سے نماز کے ساتھ ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ امام محمد نے اس ضمن میں امام صاحب کے ساتھ اپنا درج ذیل مکالمہ نقل کیا ہے:

قلت: لم کان الضحک عندک ھکذا والضحک والکلام فی القیاس سواء؟ قال: اجل ولکنی اخذت فی الضحک بالاثر الذی جاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۴)

میں نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک (نماز میں) ہنسنے کا حکم ایسا کیوں ہے، جبکہ قیاس کے اعتبار سے ہنسنے اور کلام کرنے کا حکم ایک ہونا چاہیے (یعنی جیسے نماز میں کلام کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح ہنسنے سے بھی وضو نہیں ٹوٹنا چاہیے)۔ امام صاحب نے کہا کہ ہاں، لیکن میں نے ہنسنے کے معاملے میں اس حدیث کو اختیار کیا ہے جو نبیؐ سے منقول ہے۔

امام محمد نے یہی استدلال پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

لولا ما جاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اھل المدینۃ ولکن لا قیاس مع اثر ولیس ینبغی الا ان ینقاد للآثار (۵)

اگر روایات منقول نہ ہوتیں تو قیاس کا تقاضا وہی تھا جو اہل مدینہ کہتے ہیں، لیکن روایت کے ہوتے ہوئے قیاس کی کوئی حیثیت نہیں اور احادیث کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہی مناسب طریقہ ہے۔

۲۔ روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لینے سے قضا کے واجب ہونے کے مسئلے میں لکھتے ہیں:

ان ھذا لا ینبغی ان یوخذ بالرای للآثار التی جاءت مما لا یقدر علی ردہ احد وقال ابو حنیفۃ: لولا ما جاء فی ھذا من الآثار لامرت بالقضاء (۶)

اس معاملے میں قیاس پر عمل کرنا روا نہیں، کیونکہ ایسی روایات منقول ہیں جن کو کوئی بھی شخص رد نہیں کر سکتا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اگر اس مسئلے سے متعلق احادیث مروی نہ ہوتیں تو میں (قیاس کی رو سے) روزہ قضا کرنے کو لازم قرار دیتا۔

۳۔ امام ابوحنیفہ کی رائے یہ تھی کہ اگر کپڑے پر منی لگ جائے تو خشک ہونے کے بعد اسے کھرچ کر صاف کر دینا کافی ہے، لیکن خون یا نجاست غلیظہ وغیرہ کو رگڑ کر صاف کرنا کافی نہیں، بلکہ اسے دھونا ہوگا۔ امام محمد نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ اپنا مکالمہ یوں نقل کیا ہے:

قلت: فان اصاب الثوب دم او عذرۃ

میں نے پوچھا کہ اگر کپڑے کو خون یا پاخانہ لگ

فحکھا؟ قال: لا یجزیه ذلک، قلت: من این اختلفا؟ قال: هما فی القیاس سواء غیر انه جاء فی المنی اثر فاخذنا به (۷)

جائے اور آدمی اسے رگڑ کر صاف کر دے تو؟ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اس سے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔ میں نے پوچھا کہ منی اور خون وغیرہ کے حکم میں یہ فرق کیوں ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ قیاس کی رو سے تو ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے، لیکن منی کے متعلق ایک روایت موجود ہے، اس لیے ہم نے اس کو اختیار کیا ہے۔

۴۔ امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اگر آدمی نماز کی حالت میں جان بوجھ کر وضو توڑ دے تو اسے نئے سرے سے نماز ادا کرنی ہوگی، جبکہ اگر بلا ارادہ و اختیار ایسا ہو جائے تو وہ جتنی نماز پڑھ چکا ہو، اس کو شمار کرتے ہوئے وضو کرنے کے بعد باقی ماندہ نماز ادا کر لے۔ امام محمد لکھتے ہیں:

قلت: ولم یکون علیه فی العمد ان یستقبل ولا یکون فی ما سبقه ولم یملکه؟ قال: لان الاثر والسنة جاء فی ما سبقه ان یتوضا ویبنی علی ما مضی (۸)

میں نے پوچھا کہ عمداً وضو توڑنے کی صورت میں اس پر کیوں لازم ہے کہ وہ نئے سرے سے نماز ادا کرے جبکہ بلا اختیار وضو ٹوٹنے کی صورت میں ایسا کیوں ضروری نہیں؟ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ کیونکہ بلا اختیار وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں حدیث اور سنت وارد ہوئی ہے کہ وہ وضو کر کے باقی ماندہ نماز ادا کر لے۔

۵۔ امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اگر دو آدمی ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیں تو قصاص میں ان دونوں کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، بلکہ ان دونوں سے مشترکہ طور پر دیت وصول کی جائے گی۔ امام محمد اس مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا یقطع یدان بید واحدة ولیس هذا کالنفس واذا اجتمع رجلان علی قطع ید رجل عمدا کانت

ایک ہاتھ کے بدلے میں دو ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ اس کا حکم انسانی جان سے مختلف ہے۔ اگر دو آدمی مل کر جان بوجھ کر ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیں

علیهما الدیة فی اموالهما و كذلک العینان والرجلان ولولا الاثر والسنة لم یقتل اثنان بواحد فاخذنا فی النفس بما جاء من الاثر والسنة واخذنا فی ما دون النفس بالقیاس (۹)	تو اس کی دیت ان دونوں کے مال سے (مشترکہ طور پر) وصول کی جائے گی۔ یہی حکم دونوں آنکھوں اور دونوں پاؤں کا ہے۔ اگر حدیث اور سنت نہ ہو تو (قیاس کی رو سے) ایک آدمی کے بدلے میں دو آدمیوں کو بھی قتل نہیں کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ ہم نے انسانی جان کے معاملے میں اس بات کو اختیار کیا ہے جو حدیث وسنت میں وارد ہوئی ہے، جبکہ جان سے کم تر (یعنی اعضاء) کے نقصان کی صورت میں قیاس پر عمل کیا ہے۔

۶۔ 'اعتدی' (تم عدت گزارو) کے الفاظ سے واقع ہونے والی طلاق کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے منقول ہے:

القیاس فی قوله اعتدی ان یكون بائنا وانما اتبعنا الاثر وكذا قال ابویوسف: القیاس ان یكون بائنا وانما تركنا القیاس لحدیث جابر رضی اللہ عنه (۱۰)	اعتدی کہنے سے قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ طلاق بائن واقع ہو، لیکن ہم حدیث کی اتباع کرتے ہیں۔ امام ابویوسف نے بھی یہی کہا ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ طلاق بائن واقع ہو، لیکن ہم نے قیاس کو جابرؓ کی نقل کردہ حدیث کی بنا پر چھوڑ دیا ہے۔

۷۔ سرخسی نے نکاح کے ایجاب کے جواب میں نکاح کا لفظ بولے بغیر قبول کرنے سے نکاح کے منعقد ہوجانے کے ضمن میں امام ابویوسف کی امالی سے ایک اقتباس ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

قال: انما تركنا القیاس فی النكاح للسنة وهو ما حدثنی ابو اسحاق الشیبانی عن الحكم ان بلالا رضی اللہ عنه خطب الی قوم فابوا ان یزوجوه فقال لو لا ان رسول اللہ	نکاح کے مسئلے میں ہم نے قیاس کو سنت کی وجہ سے ترک کیا ہے۔ حکم نے نقل کیا ہے کہ بلالؓ نے ایک گھر والوں کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ بلالؓ نے کہا کہ اگر مجھے رسول اللہؐ نے تم لوگوں کو نکاح کا پیغام دینے کے لیے نہ کہا ہوتا تو

امرنی ان اخطب الیکم ما فعلت فقالوا قد ملکت (۱۱)	میں ایسا نہ کرتا۔ اس پر انھوں نے کہا کہ تم مالک ہوگئے ہو۔

۸۔ ابن المنذر نے نقل کیا ہے کہ:

وقد زعم یعقوب ان القیاس فی الجرح السائل و المستحاضۃ ان لا تتوضا، قال: ولکنا ترکنا القیاس للاثر (۱۲)	یعقوب (ابو یوسف) نے کہا کہ رستے ہوئے زخم اور استحاضہ کی صورت میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ وضو نہ کیا جائے، لیکن ہم نے حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

بعد کے فقہائے احناف کے ہاں بھی اس اصول کے استعمال کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

۹۔ امام ابوبکر الجصاص ایسی مچھلی کے متعلق جو طبعی موت سے پانی کے اوپر آجائے، لکھتے ہیں:

ھذا ھو القیاس فی السمک لما لم یحتج فی صحۃ ذکاتہ الی سفح الدم الا انا ترکنا القیاس للآثار التی ذکرنا ومن اصلنا تخصیص القیاس بالآثار (۱۳)	مچھلی کے بارے میں قیاس کا تقاضا یہی ہے (کہ وہ حلال سمجھی جائے)، کیونکہ وہ ذبح ہونے کے لیے خون بہانے کی محتاج نہیں، تاہم اس قیاس کو ہم نے ان روایات کی بنیاد پر ترک کر دیا ہے جو ہم نے نقل کی ہیں اور ہمارا اصول یہ ہے کہ احادیث کی بنیاد پر قیاس کی تخصیص کر دی جاتی ہے۔

۱۰۔ امام سرخسی ناقض وضو ہونے کے مسئلے میں لکھتے ہیں:

ان القیاس ان القلس لا یکون حدثا ولکنا ترکنا القیاس عند ملء الفم بالآثار (۱۴)	قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ قلس سے وضو نہ ٹوٹے، لیکن ہم نے منہ بھر کر قے آنے کی صورت میں روایات کی وجہ سے اس قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

۱۱۔ غیر مسلموں کو زکوٰۃ دینے کے مسئلے کے تحت سرخسی نے لکھا ہے:

والقیاس ان یجوز صرف الزکاۃ الیھم انما ترکنا القیاس فیہ بالنص	قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ غیر مسلموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہو، لیکن ہم نے اس قیاس کو نص کی وجہ سے چھوڑ دیا

وھو قوله لمعاذ: خذھا من اغنیائھم وردھا فی فقرائھم (۱۵)	ہے۔ نبیؐ نے معاذ بن جبلؓ سے فرمایا کہ زکوٰۃ مسلمانوں کے مال داروں سے لو اور ان کے فقرا کو لوٹا دو۔

۱۲۔ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے رکن یمانی اور رکن حجر اسود کو چھونے کے بیان میں لکھتے ہیں:

القیاس ینفی استلام الرکن لان ذلک لیس من تعظیم البقعة کسائر المواضع من البیت ولکنا ترکنا القیاس فی الحجر بفعل رسول اللہ ﷺ (۱۶)	قیاس تو کسی بھی کونے کو چھونے کی نفی کرتا ہے، کیونکہ ایسا کرنا اس جگہ کی تعظیم کا انداز نہیں، جیسا کہ بیت اللہ کے باقی سارے حصے ہیں، لیکن حجر اسود کے بارے میں ہم نے اس قیاس کو رسول اللہؐ کے عمل کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

۱۳۔ کسی عورت کی شرم گاہ کو شہوت سے دیکھنے سے اس کی ماں اور بیٹی کے اس شخص پر حرام ہوجانے کی توجیہ سرخسی نے یوں کی ہے:

تثبت به الحرمة عندنا استحسانا وفی القیاس لا تثبت ولکنا ترکنا القیاس بحدیث ام ھانی رضی اللہ تعالی عنھا (۱۷)	یہ حرمت ہمارے نزدیک استحساناً ثابت ہوتی ہے، جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حرمت ثابت نہ ہو۔ لیکن ہم نے اس قیاس کو ام ہانیؓ کی حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔

۱۴۔ باپ کے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کرنے کی صورت میں بلوغت کے بعد لڑکی کو نکاح رد کرنے کا اختیار حاصل نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فی القیاس یثبت لھا الخیار ولکنا نقول ترکنا القیاس للحدیث (۱۸)	قیاس کی رو سے لڑکی کو اختیار ملنا چاہیے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اس قیاس کو حدیث کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

۱۵۔ اگر ایک شخص اپنے اور ایک دوسرے شخص کے مشترکہ غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کردے تو آزاد کنندہ کے مال دار ہونے کی صورت میں اس پر غلام کے باقی ماندہ حصہ کی ادائیگی

واجب ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والقیاس فیہ احد الشیئین: اما وجوب الضمان علی المعتق موسرا کان او معسرا او القیاس الا یجب علی المعتق ضمان بحال ولکنا ترکنا القیاسین للآثار (۱۹)

اس صورت میں قیاس کا مقتضی یا تو یہ ہے کہ آزاد کنندہ مال دار ہو یا تنگ دست، اس پر ضمان واجب ہو اور یا یہ کہ اس پر سرے سے کسی حال میں بھی ضمان واجب نہ ہو، لیکن ہم نے ان دونوں قیاسوں کو روایات کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

۱۶۔ کفار اگر مسلمانوں کا مال چھین کر لے جائیں اور پھر مسلمان جنگ کے بعد ان سے دوبارہ وہ مال، غنیمت کے طور پر واپس حاصل کر لیں تو اس صورت میں اصل مالکوں کو اپنا مال بغیر معاوضے کے واپس لینے کا حق ہوگا یا نہیں؟ اس ضمن میں سرخسی لکھتے ہیں:

ان القیاس الا یکون للمالک القدیم حق الاخذ بعد زوال ملکہ بتمام الاحراز ... وانما ترکنا القیاس بالسنۃ (۲۰)

قیاس یہ ہے کہ پرانے مالک کو اس کا مال کفار کے قبضے میں چلے جانے کے بعد اس کی ملکیت ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ مال واپس لینے کا حق نہ ہو، لیکن ہم نے سنت کی وجہ سے اس قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

۱۷۔ جن معاملات کی اطلاع صرف خواتین کو ہو سکتی ہے، ان میں تنہا خواتین کی گواہی قبول کرنے کے مسئلے کے تحت لکھا ہے:

ان الاصل ان لا شھادۃ للنساء فانھن ناقصات العقل والدین فلا تکون شھادتھن علی الانفراد حجۃ تامۃ لذلک ولکنا ترکنا القیاس فی ما لا یطلع علیہ الرجال بالاثر (۲۱)

اصل تو یہی ہے کہ عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہ کیا جائے، کیونکہ وہ عقل اور دین کے لحاظ سے ناقص ہیں، اس لیے تنہا عورتوں کی گواہی کو مکمل حجت نہیں ہونا چاہیے، لیکن ہم نے جن امور کی اطلاع مردوں کو نہیں ہو سکتی، ان میں (عورتوں کی گواہی قبول کرنے کے معاملے میں) حدیث کی بنیاد پر اس قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

۱۸۔ دیت میں اونٹوں کی قیمت کو معیار قرار دینے کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثم لا مدخل للبقر والغنم فی قیمة المتلفات اصلا فھی بمنزلة الدور والعبید والجواری وھکذا کان ینبغی ان لا تدخل الابل الا ان الآثار اشتھرت فیه عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فترکنا القیاس بذلک فی الابل خاصة (۲۲)

تلف شدہ چیزوں کی قیمت میں گایوں اور بکریوں کا اصلاً کوئی اعتبار نہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہیں جیسے گھر، غلام اور لونڈیاں۔ اسی طرح اونٹوں کا بھی اس معاملے میں کوئی اعتبار نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن اس کے متعلق رسول اللہؐ سے شہرت کے ساتھ روایات منقول ہیں، چنانچہ ہم نے خاص اونٹوں کے معاملے میں اس قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

۱۹۔ ماں کے پیٹ میں موجود بچہ کو اگر ہلاک کر دیا جائے تو اس کی دیت کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

ثم القیاس فی الجنین احد شیئین: اما ان لا یجب فیه شئ لانه لم تعرف حیاته او القیاس ان یجب کمال الدیة ولکن ترکنا القیاس بالسنة (۲۳)

جنین کے معاملے میں قیاس کا تقاضا یا تو یہ ہے کہ اس میں کچھ بھی واجب نہ ہو کیونکہ اس کا زندہ ہونا یقینی نہیں اور یا یہ کہ اس میں پوری دیت واجب ہو، لیکن ہم نے سنت کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

۲۰۔ وراثت میں نانی کے حصہ دار ہونے کے مسئلے کے ضمن میں سرخسی نے لکھا:

ان الادلاء بالانثی لا یکون سببا لاستحقاق فریضة المدلی به بحال کبنات الاخوات وبنات البنات الا انا ترکنا ھذا القیاس فی حق الجدات بالسنة (۲۴)

کسی عورت کے ساتھ رشتہ داری کی وجہ سے اُس عورت (کی غیر موجودگی میں) اس کے حصے کا مستحق قرار پانا کسی حال میں درست نہیں، جیسا کہ بہنوں کی بیٹیاں اور بیٹیوں کی بیٹیاں (ان کی غیر موجودگی میں ان کے حصے کی وارث نہیں بنتیں)، لیکن نانیوں کے معاملے میں ہم نے سنت کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

۲۱۔ کاشانی نے مکہ کی زمین کے خراجی ہونے کی بحث میں لکھا:

وکان القیاس ان تکون مکة

قیاس کا مقتضی تو یہ تھا کہ مکہ کی زمین خراجی ہو، کیونکہ

خراجية لانها فتحت عنوة وقهرا وتركت على اهلها ولم تقسم لكنا تركنا القياس بفعل النبی ﷺ حيث لم يضع عليها الخراج (۲۵)

اسے بہ زور فتح کیا گیا اور تقسیم کرنے کے بجائے اہل مکہ کے پاس ہی رہنے دیا گیا، لیکن ہم نے نبیؐ کے عمل کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا کیونکہ آپ نے مکہ کی زمین پر خراج عائد نہیں کیا۔

۲۳۔ایک جانور کی قربانی کے سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہونے کی وضاحت میں کاشانی لکھتے ہیں:

ان القياس يابى جوازها عن اكثر من واحد لما ذكرنا ان القربة فی الذبح وانه فعل واحد لا يتجزا لكنا تركنا القياس بالخبر المقتضی للجواز عن سبعة مطلقا (۲۶)

قیاس تو اس کی نفی کرتا ہے کہ ایک جانور کی قربانی ایک سے زیادہ اشخاص کی طرف سے کافی ہو، کیونکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ (قربانی میں) تقرب جانور کو ذبح کرنے میں ہے اور جانور کو ایک ہی مرتبہ ذبح کیا جاتا ہے اور اس میں حصہ داری نہیں ہوسکتی، لیکن ہم نے اس قیاس کو اس حدیث کی بنا پر ترک کر دیا ہے جو سات آدمیوں کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

آثار صحابہ کے مقابلے میں قیاس کو ترک کرنے کی مثالیں: رائے اور قیاس پر آثار کو ترجیح دینے کا یہ رجحان امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کے ہاں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے حوالے سے نہیں، بلکہ صحابہ کے اقوال کے حوالے سے بھی ملتا ہے۔امام کرخی، اس ضمن میں امام ابو یوسف کے منہج کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كثيرا ما ارى لابی يوسف فی اضعاف مسالة يقول: القياس كذا الا انی تركته للا ثر وذلک الاثر قول الصحابی لا يعرف عن غيره من نظرائه خلافه فهذا يدل من قوله

امام ابو یوسف کے ہاں میں کثرت سے ایسی مثالیں دیکھتا ہوں کہ وہ کسی مسئلے پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا، لیکن میں نے اسے اثر کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے اور وہ اثر صحابی کا ایسا قول ہوتا ہے جس میں اس کے درجے کے صحابہ

دلالة بينة على انه كان يرى تقليد الصحابى اذا لم يعلم خلافه من اهل عصره اولى من القياس (۲۷)

کا کوئی اختلاف معروف نہ ہو۔ امام ابو یوسف کا یہ قول واضح طور پر اس پر دلالت کرتا ہے کہ اگر صحابی کے ہم عصر لوگوں میں سے کسی کا اس کی رائے سے اختلاف معلوم نہ ہو تو اس کی رائے کی اتباع، قیاس کے مقابلے میں زیادہ قابل ترجیح ہے۔

قیاس کے مقابلے میں آثار کو ترجیح دینے کی مثالیں بھی پیش ہیں:

۲۴۔ امام صاحب کلی کیے اور ناک میں پانی ڈالے بغیر وضو کو مکمل سمجھتے ہیں، جبکہ غسل کو مکمل نہیں سمجھتے اور اس طرح ادھورے غسل کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کو واجب الاعادہ قرار دیتے ہیں۔ امام محمد نے امام صاحب کے ساتھ اپنا سوال و جواب ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

قال: اما ما كان فى الوضوء فصلاته تامة، واما ما كان فى غسل الجنابة او طهر حيض فانه يتمضمض ويستنشق ويعيد الصلاة، قلت: من اين اختلفا؟ قال: هما فى القيا س سواء، الا ان ندع القياس للا ثر الذى جاء عن ابن عباس رضى الله عنهما (۲۸)

امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اگر وضو میں ایسا کیا تو آدمی کی (اس وضو سے پڑھی جانے والی) نماز مکمل سمجھی جائے گی، لیکن اگر جنابت کے غسل میں یا حیض کے بعد کیے جانے والے غسل میں (کلی کیے اور ناک میں پانی ڈالے بغیر نماز ادا کر لی تو) اسے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے بعد نماز دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔ میں نے پوچھا کہ وضو اور غسل کے حکم میں اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ قیاس کی رو سے تو ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے، لیکن ہم اس اثر کی وجہ سے جو عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے، قیاس کو ترک کر دیتے ہیں۔

۲۵۔ اسی طرح اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے لیے آپس میں شراب اور خنزیر وغیرہ کی فروخت کے جواز کے حوالے سے امام محمد نے امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

فاما الخمر والخنزير فانی اجيز بيعها بين اهل الذمة لانها اموال اهل الذمة استحسن ذلک وادع القياس فيه من قبل الاثر الذی جاء فی نحو من ذلک عن عمر (۲۹)

جہاں تک شراب اور خنزیر کا تعلق ہے تو میں اہل ذمہ کے لیے آپس میں ان چیزوں کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیتا ہوں کیونکہ یہ اہل ذمہ کے اموال ہیں (جن پر اسلامی شریعت کے احکام لاگو نہیں ہوتے) اس معاملے میں، میں استحسان سے کام لیتا ہوں (؟) اور قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں، کیونکہ اس کے متعلق عمرؓ سے ایک اثر مروی ہے۔

۲۶۔امام ابو یوسف لکھتے ہیں:

واذا رای الامام او حاکمه رجلا قد سرق او شرب خمرا او زنی فلا ينبغی ان يقيم عليه الحد برؤيته لذلک حتی يقوم به عنده بينة، وهذا استحسان لما بلغنا فی ذلک من الاثر، فاما القياس فانه يمضی ذلک عليه ولکن بلغنا نحو من ذلک عن ابی بکر وعمر رضی الله عنهما (۳۰)

اگر امام یا اس کا مقرر کردہ حاکم کسی شخص کو چوری کرتے یا شراب پیتے یا زنا کرتے دیکھے تو اس کے لیے روا نہیں کہ وہ اس پر اپنے مشاہدے کی بنیاد پر حد قائم کرے، جب تک کہ اس کے پاس یہ بات گواہوں کی گواہی سے ثابت نہ ہو جائے۔ یہ رائے استحسان پر مبنی ہے، کیونکہ اس معاملے میں روایات ہم تک پہنچی ہیں۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ حاکم اپنے مشاہدے کی بنیاد پر سزا نافذ کر دے، لیکن ہمیں ابوبکرؓ اور عمرؓ سے وہی رائے پہنچی ہے (جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے)۔

۲۷۔حالت احرام میں کسی شخص کا دوسرے شخص کو شکار کی طرف راہ نمائی کرنے پر جزا کے واجب ہونے کی دلیل بیان کرتے ہوئے سرخسی لکھتے ہیں:

وفی القياس لا جزاء علی الدال لان الجزاء واجب بقتل الصيد و الدلالة ليست فی معنی القتل الا انا

قیاس کی رو سے تو راہ نمائی کرنے والے پر جزا لازم نہیں، کیونکہ جزا شکار کو قتل کرنے سے واجب ہوتی ہے جبکہ راہ نمائی کرنے میں قتل کرنے کا معنی نہیں

تركنا القياس باتفاق الصحابة رضى الله عنهم (۳۱)

پایا جاتا، تاہم نے صحابہ کے اتفاق کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

۲۸۔ جو شخص پیدل چل کر بیت اللہ جانے کی منت مانے اور پھر اسے پورا نہ کر سکے، اس پر حج یا عمرہ لازم ہونے کے ضمن میں استدلال کرتے ہوئے سرخسی نے لکھا ہے:

وفى القياس لا شئ عليه ولكنا تركنا القياس بحديث علىؓ (۳۲)

ازروئے قیاس ایسے شخص پر کچھ بھی لازم نہیں، لیکن ہم نے علیؓ کی حدیث کی بنا پر اس قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

۲۹۔ زوجین کے مرتد ہو جانے سے ان کے نکاح کے نہ ٹوٹنے کے ضمن میں سرخسی نے یوں استدلال کیا ہے:

وفى القياس تقع الفرقة بينهما ولكنا تركنا القياس لاتفاق الصحابة فان بنى حنيفة ارتدوا بمنع الزكاة فاستتابهم ابوبكرؓ ولم يامرهم بتجديد الانكحة (۳۳)

قیاس یہ چاہتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان تفریق واقع ہو جائے، لیکن ہم نے صحابہ کے اتفاق کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا ہے، کیونکہ بنو حنیفہ مرتد ہو گئے تو ابوبکرؓ نے ان سے توبہ کے لیے کہا، لیکن انھیں نکاحوں کی تجدید کرنے کا حکم نہیں دیا۔

۳۰۔ شوہر کی طرف سے بیوی کو علاحدگی کا اختیار ملنے کے مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واذا قال لامراته اختارى فاختارت نفسها فى القياس لا يقع عليها شئ وان نوى الطلاق ... ولكنا تركنا القياس لآثار الصحابة (۳۴)

اگر آدمی اپنی بیوی سے کہے کہ تم اپنے متعلق انتخاب کر لو اور وہ علاحدگی کا فیصلہ کر لے تو قیاس کی رو سے بیوی پر کچھ بھی واقع نہیں ہوگا، چاہے شوہر نے (یہ الفاظ کہتے ہوئے) طلاق کی نیت کی ہو، لیکن ہم نے صحابہ کے آثار کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

۳۱۔ اسی مسئلے کے ایک اور پہلو کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم كان القياس ان لا يبطل خيارها بالقيام عن المجلس لان التخيير

پھر قیاس کا تقاضا تو ہے کہ عورت کے اس مجلس سے اٹھ جانے سے اس کا اختیار باطل نہ ہو، کیونکہ شوہر

من الزوج مطلق والمطلق فی ما یحتمل التابید متابد ولکنا ترکنا هذا القیاس لآثار الصحابة رضی الله عنهم (۳۵)

نے اس کو اختیار مطلق طور پر دیا ہے اور جہاں اختیار کو دوام پر محمول کرنا ممکن ہو، وہاں مطلق دوام پر محمول ہوتا ہے، لیکن ہم نے اس قیاس کو صحابہؓ کے آثار کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔

۳۲۔ اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ تم اپنے باپ کے نہیں ہو تو اس پر قذف کی حد واجب ہونے کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی القیاس لا حد علیه لانه یجوز ان لا یکون ثابت النسب من ابیه من غیر ان تکون الام زانیة بان کانت موطوءة بشبهة ولدت فی عدة الوطء ولکنا ترکنا هذا القیاس لحدیث ابن مسعود حیث قال لا حد الا فی قذف محصنة او نفی رجل عن ابیه (۳۶)

قیاس کی رو سے اس پر حد لازم نہیں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس کی ماں کو زانیہ قرار دیے بغیر اس کا نسب اپنے باپ سے ثابت نہ ہو، مثلاً اس کی ماں سے شبہے سے جماع کر لیا گیا ہو اور اس نے عدت کے اندر اس بچے کو جنم دیا ہو۔ تاہم اس قیاس کو ہم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔

۳۳۔ اگر کوئی شخص کسی کے بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر واپس لے آئے تو اسے اس کی اجرت ادا کرنے کے متعلق سرخسی لکھتے ہیں:

وفی القیاس لا جعل له ... لانه تبرع بمنافعه فی رده علی مولاه ... ولکنا ترکنا هذا القیاس لاتفاق الصحابة رضی الله عنهم (۳۷)

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اجرت کا حق دار نہ ہو، کیونکہ اس نے غلام کو مالک کے پاس واپس لانے کے لیے اپنی خدمات از خود پیش کی ہیں، لیکن ہم نے صحابہ کے اتفاق کی وجہ سے اس قیاس کو اختیار نہیں کیا۔

۳۴۔ اگر کوئی شخص اس شرط پر کسی سے کپڑا خریدے کہ اگر اس نے تین دن تک قیمت ادا نہ کی تو یہ سودا کالعدم سمجھا جائے گا۔ امام زفر کی رائے میں یہ بیع فاسد ہے۔ سرخسی لکھتے ہیں:

البیع فاسد فی القیاس ولکن ترکنا

قیاس کی رو سے یہ بیع فاسد ہے، لیکن ہم نے اس

هذا القیاس لحدیث بن عمر رضی اللہ عنہ فانه باشر البیع بهذا الشرط و قول الواحد من فقهاء الصحابة رضوان الله تعالى علیهم مقدم على القیاس عندنا (۳۸)	قیاس کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے، کیونکہ انہوں نے یہ شرط لگا کر سودا کیا تھا۔ ہمارے نزدیک فقہائے صحابہ میں سے کسی ایک کا فتویٰ بھی قیاس پر مقدم ہے۔

۳۵۔ بائع اور مشتری کا مبیع کی قیمت کے متعلق اختلاف ہو جائے تو دونوں کو حلف اٹھا کر بیع ختم کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ سرخسی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

وفی القیاس القول قول المشتری ولكن تركنا القیاس بالسنة (۳۹)	قیاس کی رو سے اس صورت میں خریدار کی بات کا اعتبار ہونا چاہیے، لیکن ہم نے سنت کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

۳۶۔ کئی افراد مل کر ایک شخص کو قتل کر دیں تو ان سب پر قصاص لازم ہونے کے مسئلے کے تحت لکھتے ہیں:

القیاس فی النفس هكذا ان لا یستوفی المثنى بالواحد ... ولكنا تركنا القیاس فی النفس لحدیث عمر رضی الله عنه انه قتل سبعة من اهل صنعاء بواحد (۴۰)	جان کے معاملے میں بھی قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ ایک کے بدلے میں دو آدمیوں سے قصاص نہ لیا جائے، لیکن ہم نے عمرؓ کے اس فیصلے کی وجہ سے اس قیاس کو ترک کر دیا ہے کہ انہوں صنعاء کے سات آدمیوں کو ایک آدمی کے قصاص میں قتل کر دیا۔

۳۷۔ لڑکی کی پرورش کے ضمن میں ماں کے حق کے مسئلے میں کاسانی لکھتے ہیں:

ان القیاس ان تتوقت الحضانة بالبلوغ فی الغلام والجاریة جمیعا الا انا تركنا القیاس فی الغلام باجماع الصحابة رضی الله عنهم (۴۱)	قیاس تو یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی، دونوں کی پرورش کی مدت ان کے بالغ ہونے کو ٹھہرایا جائے، لیکن ہم نے لڑکے کے معاملے میں اس قیاس کو صحابہؓ کے اجماع کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

احادیث وآثار کے خلاف آرا پر تنقید: ائمہ احناف نے نہ صرف یہ کہ کسی بھی معاملے میں وارد احادیث وآثار کے واجب الاتباع ہونے کی تصریح کی اور متعدد مسائل میں رائے اور قیاس کے

برخلاف منقول روایات کو اختیار کیا ہے، بلکہ دوسرے فقہا کی آرا پر تنقید کرتے ہوئے بھی ان کے ہاں اس نکتے کا ذکر کثرت سے ملتا ہے کہ ان کے مخالف فریق کا موقف زیر بحث مسئلے میں آثار و روایات کے ساتھ متعارض ہے۔ یہاں اس ضمن کی چند مثالوں کو درج کرنا مناسب ہوگا۔

۳۸۔ امام ابو یوسف ایک مسئلے کے ضمن میں خوارج کے موقف پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما الخوارج فانهم اخطاوا المحجة وجعلوا قرى عربية بمنزلة قرى عجمية ولم ياخذوا بما اجتمع عليه اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقول عمر وعلى، ومن اجتمع من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم هم احسن تاويلا وتوفيقا من الخوارج (۴۲)	خوارج تو راہ راست سے بھٹک گئے ہیں اور انھوں نے عرب کی بستیوں اور عجم کی بستیوں کا حکم یکساں قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس رائے کو اختیار نہیں کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ متفق ہیں اور جو عمر اور علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابہ (اس پر) متفق ہیں، ان کی تاویل اور توفیق خوارج کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔

۳۹۔ امام محمد نے امام مالک کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک عرصہ تک مقیم کے لیے موزوں پر مسح کے جواز کے قائل تھے، لیکن پھر انہوں نے اپنا موقف بدل لیا اور کہا کہ مقیم شخص موزوں پر مسح نہیں کرسکتا۔ (۴۳) اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فهذه آثارهم التى رووها وحملوها ثم نقضوها برايهم (۴۴)	یہ وہ روایات ہیں جو اہل مدینہ نے روایت کی ہیں اور وہ ان کے حامل ہیں، لیکن پھر انہوں نے اپنی رائے کی بنیاد پر ان آثار کو رد کر دیا ہے۔

الموطا میں لکھتے ہیں:

وعامة هذه الآثار التى روى مالك فى المسح انما هى فى المقيم، ثم قال: لا يمسح المقيم على الخفين (۴۵)	یہ روایات جو امام مالک نے نقل کی ہیں، ان میں سے اکثر مقیم سے متعلق ہیں۔ اس کے باوجود امام مالک نے کہا ہے کہ مقیم موزوں پر مسح نہیں کرسکتا۔

۴۰۔ امام محمد نے اہل مدینہ کا قول یہ نقل کیا ہے کہ موزوں پر مسح کرتے ہوئے آدمی کو پاؤں

کے نچلے حصہ پر بھی مسح کرنا چاہیے۔ پھر فرماتے ہیں:

وکیف قال هذا اهل المدینة؟ فما نعلم احدا یبصر شیئا یتکلم بمثل هذا، فقد جاء الحدیث المعروف عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انه قال: لو کان الدین بالرای لکان مسح باطن الخفین اولی من ظاهرهما (۴۶)	اہل مدینہ نے کیسے یہ بات کہہ دی؟ ہم نہیں جانتے کہ کوئی بھی صاحب فہم اس طرح کی بات کہہ سکتا ہے، کیونکہ عمر بن الخطابؓ سے یہ معروف حدیث منقول ہے کہ انہوں نے کہا: اگر دین کی بنیاد رائے پر ہوتی تو پاؤں کے نچلا حصہ، اوپر والے حصہ سے مسح کرنے کا زیادہ حق دار تھا۔

۴۱۔ نکسیر سے وضو ٹوٹنے کے متعلق ابن عباس، عمر بن الخطاب اور سعید بن المسیب کے آثار کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:

فکیف ترکت هذه الآثار ولم تترک الی مثلها؟ ..... فعجبا لمن زعم ان اهل المدینة یقولون بالآثار وهم یروونها ثم یترکونها عیانا الی غیر اثر (۴۷)	تو تم نے کیونکر ان آثار کو ترک کر دیا جبکہ مقابلے میں ان جیسے آثار بھی موجود نہیں؟ ان لوگوں پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ روایات پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ وہ تو روایات کو نقل کرتے ہیں اور پھر کھلم کھلا ان کو چھوڑ کر ایسی بات اختیار کر لیتے ہیں جو کسی روایت میں بیان نہیں ہوئی۔

۴۲۔ اقامت کہے جانے کے بعد نمازی کے آگے گزرنے کے جواز سے متعلق اہل مدینہ کے موقف پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انما ترکوا فیه الآثار واخذوا فیه بما استحسنوا بما لم یاتوا فیه باثر ولا سنة (۴۸)	"اس مسئلے میں انہوں نے آثار کو ترک کر دیا ہے اور اپنے استحسان کو ترجیح دی ہے جس کے متعلق انہوں نے کوئی اثر یا سنت پیش نہیں کی۔"

۴۳۔ نماز میں سجدے سے اٹھتے ہوئے ہاتھوں سے سہارا لینے کے متعلق اہل مدینہ کے قول پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

السنة والآثار فی هذا معروفة	اس معاملے میں سنت اور روایات معروف ومشہور

مشهورة لا يحتاج معها الى نظر وقياس (۴۹)	ہیں جن کے ہوتے ہوئے رائے اور قیاس کی کوئی ضرورت نہیں۔

۴۴۔مردے کو نہلانے کے متعلق اہل مدینہ کا قول یہ ہے کہ اس کا کوئی مخصوص طریقہ مقرر نہیں، بلکہ کسی بھی طریقے سے مردے کو غسل دیا جا سکتا ہے جس سے اس کا جسم پاک ہو جائے۔امام محمد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سبحان الله العظيم كيف لم يعرف اهل المدينة غسل الميت حتى قالوا فيه هذا القول والآثار فيه كثيرة مبينة وغسل الميت واضح في ايدى الفقهاء (۵۰)	سبحان اللہ العظیم۔اہل مدینہ میت کو نہلانے کے طریقے سے کیونکر ایسے ناواقف ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات کہہ دی؟اس مسئلے میں تو روایات کثرت سے اور بڑی وضاحت سے موجود ہیں اور فقہا کے نزدیک میت کو نہلانے کا طریقہ بے حد معلوم و معروف ہے۔

۴۵۔مرنے والے کی طرف سے اس کی وصیت پر حج کی قضا کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

والآثار في هذا كثيرة وهذا الامر المجتمع عليه لا اختلاف بين الفقهاء فيه الا من قال برايه ونبذ الآثار خلف ظهره (۵۱)	اس باب میں مروی روایات بہت سی ہیں اور یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے جس کے بارے میں فقہا کے مابین کوئی اختلاف نہیں، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اپنی رائے کو اختیار کیا اور روایات کو پس پشت پھینک دیا۔

۴۶۔الموطا میں نے والے کی طرف سے حج کے جواز کے متعلق روایات نقل کر کے انہوں نے لکھا ہے:

وبهذا ناخذ، لا باس بالحج عن الميت ... وقال مالك بن انس: لا ارى ان يحج احد عن احد (۵۲)	ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔مرنے والے کی طرف سے حج کرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ مالک بن انس نے کہا ہے کہ میری رائے میں کوئی شخص کسی دوسرے

کی طرف سے حج نہیں کرسکتا۔

مذکورہ مثالوں کی روشنی میں ائمہ احناف کے زاویہ نگاہ اور اصول منہج کو درج ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔احناف کے نزدیک نبیؐ کی احادیث دین کے بنیادی مآخذ میں سے ایک ماخذ ہے اور وہ آپؐ کی طرف کسی روایت کی نسبت قابل اطمینان طریقے سے ثابت ہوجانے کے بعد غیر مشروط طور پر اسے رائے اور قیاس کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں۔

۲۔احناف کا یہی طرز عمل صحابہ کے فتاویٰ اور آثار کے حوالے سے بھی ہے اور وہ صحابہ کے کسی متفق علیہ قول سے اختلاف کو جائز نہیں سمجھتے۔اسی طرح صحابہ کے مابین اختلاف کی صورت میں وہ انہی اقوال میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں اور بالعموم ان اقوال سے ہٹ کر کوئی نئی رائے قائم نہیں کرتے۔

۳۔احناف کے ہاں ایسی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں جہاں وہ رائے اور قیاس کو اس لیے ترک کردیتے ہیں کہ اس مسئلے میں قیاس کے تقاضے کے برعکس نبیؐ کی کوئی حدیث یا کسی صحابی کا قول منقول ہے۔

۴۔احناف احادیث وآثار کی پیروی کو ایک واجب الاتباع اصول قرار دیتے ہوئے اس بنیاد پر دیگر فقہا کی آرا پر تنقید کرتے ہیں اور یہ قرار دیتے ہیں کہ ان کا اختیار کردہ موقف احادیث و آثار کے منافی ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔

حوالہ جات

(۱)الشیبانی،محمد بن الحسن، ''الحجة علیٰ اهل المدینة''، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۳ھ(الطبعة الثالثة)، ۲/۴۸۱۔(۲)نفس المصدر، ۳/۴۱۰۔(۳)السرخسی،محمد بن احمد بن ابی سہل،''اصول السرخسی''، دارالمعرفة، بیروت،س۔ن،۱/۱۴۴، ۱۴۵۔(۴)الشیبانی،محمد بن الحسن،''المبسوط''، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراچی، س۔ن،۱/۱۷۰۔(۵)''الحجة علیٰ اہل المدینة''، ۱/۲۰۴۔(۶)نفس المصدر ۱/۳۹۲۔(۷)''المبسوط'' ۱/۶۲۔(۸)نفس المصدر ۱/۱۶۸۔(۹)نفس المصدر ۴/۴۹۱۔(۱۰)الکاسانی،علاء الدین ابوبکر بن مسعود بن احمد،''بدائع

الصنائع"، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۲ء (الطبعۃ الثانیۃ)، ۳/ ۱۱۲۔ (۱۱) سرخسی، "المبسوط"، دارالمعرفۃ، بیروت، س۔ن، ۵/ ۹۸ ۔ (۱۲) ابن المنذر، ابوبکر محمد بن ابراہیم النیسابوری، "الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف"، دارطیبۃ، الریاض، ۱۹۸۵ء (الطبعۃ الاولیٰ)، ۱/ ۱۶۴۔ (۱۳) الجصاصؒ، ابوبکر احمد بن علی، "احکام القرآن"، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ۱/ ۱۳۷۔ (۱۴) سرخسی، "المبسوط" ۱/ ۷۴، ۷۵۔ (۱۵) نفس المصدر ۳/ ۱۱۱۔ (۱۶) نفس المصدر ۴/ ۴۹۔ (۱۷) نفس المصدر ۴/ ۲۰۸۔ (۱۸) نفس المصدر ۴/ ۲۱۳۔ (۱۹) نفس المصدر ۷/ ۱۰۴، ۱۰۵۔ (۲۰) نفس المصدر ۱۰/ ۶۲۔ (۲۱) نفس المصدر ۱۶/ ۱۴۲۔ (۲۲) نفس المصدر ۲۶/ ۷۸۔ (۲۳) نفس المصدر ۲۶/ ۸۷۔ (۲۴) نفس المصدر ۲۹/ ۱۶۸۔ (۲۵) "بدائع الصنائع" ۲/ ۵۸۔ (۲۶) نفس المصدر ۵/ ۷۰۔ (۲۷) الجصاصؒ، ابوبکر احمد بن علی، "الفصول فی الاصول"، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، کویت، ۱۴۰۵ھ، ۲/ ۱۷۲۔ (۲۸) الشیبانی، "المبسوط"، ۱/ ۱۱۷۰/ ۴۱۔ (۲۹) نفس المصدر ۵/ ۲۲۱، ۲۲۲۔ (۳۰) ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم الانصاری، "کتاب الخراج"، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۳۰۲ھ، ص ۱۷۸۔ (۳۱) سرخسی، "المبسوط"، ۴/ ۷۹۔ (۳۲) نفس المصدر ۴/ ۱۳۰۔ (۳۳) نفس المصدر ۵/ ۴۹۔ (۳۴) نفس المصدر ۶/ ۲۱۰، ۲۱۱۔ (۳۵) نفس المصدر ۶/ ۲۱۱۔ (۳۶) نفس المصدر ۹/ ۱۲۱ (۳۷) نفس المصدر ۱۱/ ۱۷۔ (۳۸) نفس المصدر ۱۳/ ۱۷۔ (۳۹) نفس المصدر ۱۳/ ۲۹۔ (۴۰) نفس المصدر ۱۸/ ۱۲۷۔ (۴۱) "بدائع الصنائع" ۴/ ۴۲۔ (۴۲) "کتاب الخراج"، ص ۵۹۔ (۴۳) "الحجۃ علیٰ اہل المدینۃ"، ۱/ ۲۴۔ (۴۴) نفس المصدر ۱/ ۳۴۔ (۴۵) الشیبانی، "الموطا"، دارالقلم، دمشق، ۱۴۱۲ھ (الطبعۃ الاولیٰ)، ۱/ ۲۸۵۔ (۴۶) "الحجۃ علیٰ اہل المدینۃ"، ۱/ ۳۴، ۳۵۔ (۴۷) نفس المصدر ۱/ ۶۷، ۶۸۔ (۴۸) نفس المصدر ۱/ ۲۲۲۔ (۴۹) نفس المصدر ۱/ ۳۱۶۔ (۵۰) نفس المصدر ۱/ ۳۵۰۔ (۵۱) نفس المصدر ۲/ ۲۳۶۔ (۵۲) "الموطا"، ۲/ ۳۹۳۔

مولانا اختر کڑپوی
اور ان کی مثنوی در مدح ٹیپو سلطانؒ

ڈاکٹر راہی فدائی

مثنوی ''در مدح ٹیپو سلطانؒ'' کے مصنف شہر کڑپہ (آندھرا پردیش) کے نامور شاعر اختر ہیں۔ وہ سلطان ٹیپو کے ہم عصر تھے اور ان کے بڑے مداح بھی تھے جس کے ثبوت کے لیے پیش نظر مثنوی عیاں راچہ بیاں کے مصداق ہے۔

اختر کا اسم گرامی ذوالفقار علی خاں معروف بہ محمود خاں ولد گلاب خاں تھا۔ ان کا نسبی تعلق افغان پٹھانوں کے مشہور قبلہ ''سورازائی'' سے تھا، عہد آصف جاہی کے قد آور ادیب و انشا پرداز ''لچھمی نارائن شفیق'' (المتوفی ۱۲۲۳ھ) سے انہیں شرف تلمذ حاصل رہا، یہ اطلاع بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ نارائن شفیق کے استاد محترم ہندوستان کے مایہ ناز مصنف، محقق، ادیب و شاعر غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ) ہیں، اختر نے اپنے ایک قطعہ میں اس امر کا اظہار و اعتراف کیا ہے۔ قطعہ:

شفیق و صاحبم استاذ لچھمی نارائن — کہ گوے برد بہ ہندی و پارسی بجہاں
گرفتہ فیض زخدام حضرت آزاد — نثار باد بآں خاک رحمت یزداں

اختر کا شمار عہد سلطان ٹیپو کے باکمال شعراء میں ہوتا ہے ان کا ضخیم قلمی دیوان اس بات کا شاہد عدل ہے۔ دیوان سات سو صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، جس میں ۲۳۶ طول طویل غزلیں، قصائد اور مراثی موجود ہیں۔ مذکورہ مثنوی ''در مدح ٹیپو شہید'' بھی اسی دیوان کی زینت ہے۔ یہ مثنوی ۱۰۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ جس میں سلطان کے بلند اخلاق و اعلیٰ کردار کی توصیف، ہمت و شجاعت کی تعریف

بنگلور۔

اور سخاوعطا کی مدح کی گئی ہے۔علاوہ ازیں سلطان کی علم پروری اور قدر افزائی کی بہترین تمثیل پیش کی گئی اور میدان جنگ کے حالات و کیفیات بیان کرتے ہوئے اس کے مناظر و مظاہر کی سچی اور حقیقی تصویر اتاری گئی ہے۔اس مثنوی کے مطالعہ سے قاری کے ذہن ودل میں جذبہ حمیت برپا ہوکر بالآخر سلطان سے شدید تعلق خاطر کا سبب بنتا ہے۔سچی بات یہ ہے کہ سلطان کی خدا ترسی ودینداری اور اس کی بے مثال شجاعت و بسالت کا رعب و دبدبہ قاری کے حواس پر چھا جاتا ہے۔مثنوی کی اس خصوصیت نے اس کے تخلیق کار کو اپنے معاصرین میں نمایاں مقام عطا کیا ہے۔خود تخلیق کا فنی و ہیئتی حسن وکمال اور شعر کی ظاہری و باطنی ملاحت وصباحت فکر ونظر کو مسرور ومسحور کردیتی ہے۔

دیوان اختر کے بغائر مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے کافی طویل عمر پائی اور وفات ۱۲۶۰ھ کے آس پاس ہوئی۔اختر کے پوتے مولوی ذوالفقار علی خاں ضیاؔ (متوفی ۱۳۶۵ھ) نے اپنی ایک تاثراتی نظم میں ان کے حالات وکمالات کا ذکر بایں طور کیا ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

فاضل شہر اخترؔ ذی شاں ذات اقدس تھی جن کی فیض رساں
سعدیؔ و عرفیؔ ، حافظؔ شیراز طرز مضموں میں جن کے ہیں ہمراز
عالم باعمل بہ زہد و رضا بس ولایت کا جن کی تھی شہرا
ہر سخن جن کا نفس الہامی ہم کلامِ نظامیؔ و جامیؔ
درس وتدریس کی تھی حرص و ہوس جن کے شاگرد دوہزار تھے بس

دیوان کا مخطوطہ انہی ضیا کے قلم فیض رقم کا مرہون منت ہے اور تا حال غیر مطبوعہ ہے۔

اختر کا شمار صاحب دل صوفی شعراء میں ہوتا ہے وہ علم شریعت و علم طریقت کے مجمع البحرین تھے۔شہمیر اول کے فرزند کلاں مولانا سید شاہ محی الدین بادشاہ قادریؒ (متوفی ۱۲۴۵ھ) کے دست حق پرست پر بیعت کی، خلافت واجازت اور خرقہ وخلعت سے سرفراز کیے گئے۔

دیوان اختر کے ست رنگ جلووں کی ضیا پاشی وضوباری میں ''مثنوی در مدح ٹیپو سلطان شہیدؒ'' ہیئت ومواد کے اعتبار سے کافی جاذب نظر اور واقعی قابل توجہ ہے۔اس مثنوی کے جملہ اشعار جیسا کہ اوپر مذکور ہے ایک سوتین ہیں اور اس کا پیرایۂ اظہار نہایت دلکش وسحر انگیز ہے۔اشعار میں سلاست وروانی پائی جاتی ہے۔سلطان کی مدح وتوصیف میں خوبصورت استعارے اور نادر تشبیہات

کا استعمال کیا گیا ہے۔شاعر نے سلطان کی للّٰہیت ودیانت اور سیادت وقیادت کے واقعات کو حسین شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔مثنوی کی ابتدائی چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

شنیدم بشہر سری رنگ پٹن شہے بود شرزہ دل و پیل تن

(میں نے سنا ہے شہر سری رنگ پٹن میں-ایک شیر دل،مضبوط جسم بادشاہ رہتا تھا)

سر سروراں ٹیپو سلطان بنام سپہ پرور و رتبہ بخشِ انام

(سرداروں کا سرخیل کہ جس کا نام نامی ٹیپو سلطان تھا۔وہ سپہ پرور اور لوگوں کے مراتب بلند کرنے والا تھا)

جواں مرد و رستم نہاد و دلیر چو روباہ درپیش او تند شیر

(جواں مرد،رستم زماں اور بے حد دلیر تھا۔اس کے آگے مست شیر بھی لومڑی بنا رہتا تھا)

مسلماں نواز و شہ دیں پناہ زسر بر رہِ شرع پیمودہ راہ

(مسلمانوں کو نوازنے والا دیں پرور بادشاہ تھا۔کہ جس نے راہ شریعت سر کے بل طے کی تھی)

بروئیں تنے ہم چوں اسفند یار جو رستم ستیزندہ در کار زار

(اسفندیار کی طرح روئیں تن یعنی جس کے جسم پر حربے بے اثر ہوجاتے تھے۔رستم کی طرح میدان جنگ کا ماہر لڑاکا تھا)

بدین محمدؐ چناں استوار جو کُہہ قاف بر خاکداں استوار

(دین محمدیؐ پر اس طرح مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا تھا جیسے روئے زمیں پر کوہ قاف مستحکم کھڑا ہو)

اختر نے اس معرکہ آراء مثنوی کی ابتداء لفظ "شنیدم" (میں نے سنا) سے کی ہے مگر کل اشعار میں کہیں بھی اس امر کی صراحت نہیں ہے کہ سلطان شہیدؒ کے حالات و واقعات شاعر نے کس سے سنے تھے۔

البتہ مثنوی کے اندازِ بیاں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ شاعر کا راوی بڑا ہی مستند اور معتبر شخص ہے راقم الحروف کی رائے میں جامی دکن صاحب مخزن العرفان شاہ کمال (المتوفی ۱۲۲۴ھ) کی ذات والا صفات ہی اس دور کے سیاق وسباق میں سلطان شہیدؒ کے احوال واذکار کی چشم دید گواہ اور ثقہ راوی ہوسکتی ہے۔راقم کے مذکورہ قیاس کے لیے چند قرائن بھی ممد ومعاون ہیں،ایک تو یہ کہ حضرت شاہ کمالؒ اور حضرت اخترؔ دونوں ہم وطن ہونے کے علاوہ ہم عصر بھی ہیں،دوسرے یہ کہ دونوں

حضرات کا سلسلہ بیعت وارشاد ایک ہی شجرہ طوبیٰ سے وابستہ ہے، یعنی شاہ کمالؒ کے پیرومرشد حضرت شہمیر اول (متوفی ۱۱۸٦ھ) ہیں تو حضرت اخترؔ کے شیخ طریق ومقتدیٰ شاہ میر اول کے فرزند کلاں شاہ محی الدین بادشاہؒ ہیں، تیسرا سب سے اہم اور قابل غور پہلو یہ ہے کہ حضرت شاہ کمالؒ سلطان شہیدؒ کی دعوت پر سری رنگ پٹن تشریف لے گئے تھے، اور وہاں ایک مدّت تک قیام کے بعد شہادت ٹیپو سے قبل وطن مالوف لوٹ آئے تھے۔ مصنف ''شہمیری اولیاء'' حکیم سید محمود بخاری کے بیان کے مطابق سری رنگ پٹن کے دوران قیام شاہ کمال کو سلطان کی قربت کے ساعات اوران کے روز وشب کو بغائر مطالعہ کرنے کے مواقع حاصل ہوتے رہے ہیں، (ص ۱۸٦)۔ الغرض مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ بات قرین قیاس ہے کہ حضرت اخترؔ نے احوال سلطانی کا تفصیلی ذکر شاہ کمالؒ کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے کیا ہے۔ اس ضمن میں چند تاریخی حقائق پر مشتمل اشعار پیش ہیں ۔

گراں لشکرش بود نہ صد ہزار   و ہزار و دوصد پیل او درشمار

(سلطان کے عظیم لشکر میں پیادہ نولاکھ سپاہی تھے اور بارہ سو ہاتھی سوار سپاہی بھی موجود تھے)

بہ مرد افگنی شوخ روزِ نبرد   زبس تند مرداں بر آورد گرد

(وہ جنگ میں بڑے بڑے پہلوانوں کو چت کردینے والا بہت سے سورماؤں کو خاک چٹانے والا تھا)

مرہٹہ، مغل قوم انگریز ہم   زرعب و نہیبش تپاں پیش و کم

(مرہٹہ، مغل سپاہی اور انگریز- اس کے رعب وداب کی گرمی سے جلتے اور پیچ وتاب کھاتے رہتے تھے)

جوانِ قوی ہیکل و زور مند   کہ آورد عفریت را زیر بند

(وہ قوی جثہ، طاقتور اور ایسا جواں مرد تھا کہ اس نے عفریت ودیو کو بھی گرفتار کر رکھا تھا)

قدم بر رہ نیک مردے سپرد   ہنرمند زانعام او بہرہ برد

(اس نے اچھے اور نیک پیش روں کا راستہ اختیار کر رکھا تھا اور ہنرمندوں کو انعام واکرام سے مالا مال کردیتا تھا)

بسا کافراں را مسلماں نمود   بایشاں رہِ دین و ایماں نمود

(بہت سارے کافروں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا اور انہیں دین وایمان کی راہ دکھائی)

در ایام او شاد بودند خلق   بجائے خود آباد بودند خلق

(اس کے عہد میں تمام رعایا شادکام ومسرور تھی عوام اس کی سلطنت میں شاد آباد تھے)

دلِ نیک مرداں ازو شاد کام برآورد بیخ بدی لاتمام

(نیک لوگ اس سے بہت خوش تھے کہ اس نے برائی اور بدی کی بیخ کنی کی تھی)

فرنگی و مغل و مرہٹہ تمام نمودند در کشتنش اژدھام

(انگریز قوم مغل سپاہی مرہٹہ فوج سب کے سب اس کی جان کے درپے ہوگئے تھے)

وفاتش بتاریخ الحال گیر ہزار و دوصد سیزدہ سال گیر

(سلطان کی شہادت کی تاریخ سن لے، دو ہزار دو سو تیرہ سال ہجری ہے جان لے)

حضرت اخترؔ نے سلطان شہیدؒ کے اوصاف حمیدہ کی تعریف و توصیف میں نہ صرف شعری تقاضوں کو پورا کیا ہے بلکہ حقیقت بیانی کا بھرپور اظہار بھی کیا ہے ؎

سرش پرتحمل ، دلش برقرار نمازی و شب خیز و پرہیزگار

(سلطان سراپا تحمل اور بردباری کا پیکر تھا وہ مطمئن القلب تھا، نمازی، تہجد گزار اور متقی تھا)

نویسندہ خوب ، زریں قلم باوراق خورشید و مہ زد رقم

(وہ خوش خط تھا، اس نے زریں قلم سے شمس و قمر کے اوراق پر اپنی تاریخ ثبت کردی تھی)

زباں آوراں را نوازش نمود زگنج و زاقبال عزت فزود

(اس نے شعراء و ادباء کی خوب قدردانی کی اور انہیں مال و دولت اور جاہ و منصب سے سرفراز کیا)

بجا دوست می داشت خوانندہ را نویسندۂ علم دانندہ را

(اس نے حضرات اہل علم اور اصحاب قلم کو اپنا محبوب اور جگری دوست بنا رکھا تھا)

مذکورہ اشعار پر دوبارہ نظر فرمائیے اور پھر سلطان شہید کے مصاحب خاص، میر منشی اور تاریخ سلطانی کے اولین مورخ میر حسن علی کرمانی المتخلص بہ حاکم کرمانی ولد سید عبدالقادر کرمانی کی اس شہادت کو ملاحظہ فرمائیے تو حضرت اختر کے اشعار کی صحت و حقانیت روز روشن کی طرح عیاں ہوگی۔ کرمانی رقم طراز ہیں:

> ’’اہل ہنر کی عزت و توقیر میں ان کو بڑا اہتمام رہتا تھا، سلطان کی عادت تھی کہ فرامین و پروانہ جات اور احکامات کے سرنامے پر اپنے ہاتھ سے پوری بسم اللہ خط طغریٰ میں لکھتے پھر اس کے نیچے دستخط کیا کرتے تھے‘‘۔ (نشانِ حیدری،

۱۴۴تا۱۴۴)

حضرت اختؔر نے سلطان شہید کی شجاعت و بسالت کے نادر نمونے پیش کرتے ہوئے بلند آہنگی کے ساتھ رفعت خیال کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ چند شعر بطور نمونہ درج ہیں ؎

عدو را چناں برد در روز جنگ	که کنجشک را باز گیرد به چنگ

(دشمن کو جنگ کے وقت اس طرح قابو میں کیا کرتا تھا جیسا کہ چڑیا کو باز اپنے پنجے میں دبوچ لیتا ہے)

چو بز نرم خو گرگ از بیم او	شد از کاه همراه بز قوت جو

(سلطان کے خوف کے مارے بھیڑیا بھی بکرے کی طرح بالکل نرم خو اور بے ضرر ہو جاتا تھا کہ وہ اپنی غذا بھول کر بھیڑ بکریوں کی طرح گھاس پھوس کھانے لگتا تھا)

دل سنگ شد خسته از نوک تیر	ز پستانِ او خوں رواں شد چو شیر

(اُس کے تیروں کی نوک اور بوچھاڑ سے پتھر دل چھلنی ہو گیا۔ اس کے سینے سے دودھ کی طرح لہو جاری ہو گیا)

زشمشیر دریائے خوں شد رواں	درو غوطه خوردند پیر و جواں

(سلطان کی تلوار سے خون کا دریا بہہ نکلا کہ جس میں پیر و جواں غوطہ کھانے لگے)

زخون تن خسته و چاک چاک	به رخ پردهٔ سرخ افگند خاک

(بدحال اور زخموں سے چور جسموں سے بہنے والے لہو سے پریشان ہو کر زمین نے اپنے چہرے پر سرخ نقاب ڈال لیا)

تفِ تیغ کرد آسماں را سیاه	چناں کز دل سوخته دودِ آه

(گرم شمشیر سے اٹھنے والے بخارات نے فلک کو اس طرح سیاہ کر دیا جیسے دل جلے کی آہ کا دھواں کالا کر دیتا ہے)

دمِ تیغ شد آں چناں کارگر	کز یک ضرب افگند ہفتاد سر

(تلوار کی دھار کا ایسا کرشمہ ظہور پذیر ہوا کہ ایک ہی وار سے ستر سر قلم کر دئے گئے)

حضرت اختؔر نے سلطان کے عدل و انصاف کے روشن و تابناک گوشوں کو اجاگر کرتے ہوئے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا ہے، اس مضمون کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں ؎

بانصاف می داشت آں دشت برد	که یک چشمه گور و پلنگ آب خورد

(سلطان کے نظم و نسق نے اس طرح انصاف کیا کہ ایک ہی گھاٹ پر گدھا اور چیتا دونوں مل کر پانی پیتے تھے)

گہہ بارش اِزداد آن کوہ ورن پنہ چست در غار شیراں گوزن
(کبھی جنگل اور پہاڑیوں میں تیز بارش ہوتی تو برسات کے پانی سے بچنے کی خاطر بارہ سنگھا شیروں کے غار میں بے خوف پناہ لیتا تھا)

بغرہ فریدوں جہاں داشتہ ہمہ تخم عدل و کرم کاشتہ
(بادشاہ فریدوں کی شان وشوکت جہاں رکھتا وہیں عدل وانصاف کی فصل بھی تیار کرتا تھا یعنی انصاف کے تقاضے پورے کرتا تھا)

زعدلش بآہِ برہ مادہ شیر شد است شیر دادن چو مادہ دلیر
(اس کے عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ اس کی وجہ سے ہرنوٹے (ہرن کے بچہ) کو شیرنی مادر مہربان کی طرح دودھ پلاتی تھی)

چوکسرای شہے چند انصاف راند بفرق جہاں در نیکی فشاند
(نوشیروان عادل کی طرح سلطان بھی بے حد منصف مزاج تھا کہ اس نے دنیا کی مانگ موتیوں سے بھر دی تھی)

حضرت اختر نے شہادت سلطان کے بعد رونما ہونے والے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے یہ عجیب وغریب بات بتائی کہ شہادت کے جانکاہ حادثے کے بعد ملک میں قحط سالی نمودار ہوئی، لوگ روٹی روٹی کو ترسنے لگے، فاقہ کشی کی وجہ سے عوام الناس مرنے لگے، ہر طرف اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوگیا یہ کیوں نہ ہوتا جب کہ سلطان شہید صاحب سیف وقلم تھے ان کی ذات مجمع البحرین تھی، عادل حکمراں، عالم باعمل بھی ہو تو اس کی وفات بہ مصداق ''موت العالم موت العالم'' دوہری مصیبت اور دوگنے نقصان کا باعث ہوتی ہے، اس لطیف نکتے کی طرف شاید ہی کسی کی نظر گئی ہو، اس تعلق سے رقم شدہ اشعار صاحب بصیرت کے لیے عبرت ونصیحت کا سرچشمہ ہیں ؎

جہاں خوار گردید از رفتنش فلک زار گردید از رفتنش
(دنیا اس کی رخصت کی وجہ سے ذلیل وخوار ہوگئی اور آسمان اس کے انتقال پر زار وقطار رونے لگا)

زفاقہ کنوں خلق شد بس ہلاک دہنہا بجائے شکر پر زخاک
(اس کے داغ مفارقت دے جانے کے بعد مخلوق فاقوں سے ہلاک ہونے لگی، منہ شکر کی بجائے مٹی سے بھرے جارہے تھے)

بدو رزقِ جمہور موقوف شد قضا نام رزق از خلائق زدود

(اس کے دم سے رعایا کی روزی روٹی موقوف تھی، موت نے اس کے بعد روزی کے نام ہی کو مٹا دیا)

چناں مردمان آنند محتاج تر کہ گیرند ناں پارۂ ہمچو زر

(لوگ نان شبینہ تک کے محتاج اس طرح ہوگئے کہ ان کے حق میں روٹی کے ٹکڑے کی قدر و قیمت سونے کے برابر ہوگئی)

نہ بینند درخواب جز روئے آں کہ آید بخواب آں چہ گردد بجاں

(لوگوں کے سپنے میں روٹی کا رخِ روشن نظر آتا تھا کیونکہ جو چیز دل میں بستی ہے سپنے میں وہی دکھائی دیتی ہے)

بہ ہم راہ او رفت روزئی خلق زرنگ جہاں دل فروزئی خلق

(سلطان کی شہادت کے ساتھ ہی رعایا کی روزی بھی رخصت ہوگئی، دنیا کی رنگارنگی سے مخلوق کے لئے دلکشی ختم کردی گئی)

پر شہہ رفت بندد بملک فنا شود راہ سختی سوئے خلق وا

(جب سلطان ملک فنا سے شہر بقا کی طرف کوچ کر گیا تو مخلوق و رعایا پر سختی اور مصیبت کی راہ کھل گئی)

اس طویل مثنوی کے ذخیرے سے مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق مذکورہ اشعار منتخب کیے گئے تا کہ اس مثنوی کے مختلف زاویوں پر اصحاب علم و فضل کی بصیرت افروز نگاہیں مرکوز ہوسکیں۔ آخر میں مثنوی کا مکمل متن مع ترجمہ پیش ہے۔ راقم الحروف کو کامل یقین ہے کہ حضرت اختر کی یہ مثنوی ادبیات سلطانی میں گراں قدر اضافہ ثابت ہوگی اور انشاء اللہ تعالیٰ اہل دانش و اہل نظر حضرات سے خراج تحسین حاصل کرے گی۔

مثنوی در مدح ٹیپو سلطان شہید

(مولانا ذوالفقار علی خاں سورزائی اختر کڈپوری متوفی ۱۲۶۰ھ تقریباً)

شنیدم بشہر سری رنگ پٹن شہے بود شرزہ دل و پیل تن

(میں نے سنا ہے شہر سری رنگ پٹن میں - ایک شیر دل، مضبوط جسم بادشاہ رہتا تھا)

سر سروراں ٹیپو سلطان بنام سپہ پرور و رتبہ بخش انام

(سرداروں کا سرخیل کہ جس کا نام نامی ٹیپو سلطان تھا۔ وہ سپہ پرور اور لوگوں کے مراتب بلند کرنے والا تھا)

جواں مرد و رستم نہاد و دلیر چو روباہ در پیش او تند شیر

(جواں مرد، رستم زماں اور بے حد دلیر تھا۔ اس کے آگے مست شیر بھی لومڑی بنا رہتا تھا)

مسلماں نواز و شہ دیں پناہ زسر بر رہ شرع پیمودہ راہ
(مسلمانوں کو نوازنے والا دیں پرور بادشاہ تھا۔ کہ جس نے راہ شریعت سر کے بل طے کی تھی)

برو ئیں تنے ہمچوں اسفندیار جو رستم ستیزندہ در کارزار
(اسفندیار کی طرح روئیں تن یعنی جس کے جسم پر حربے بے اثر ہوجاتے تھے۔ رستم کی طرح میدان جنگ کا ماہر لڑاکا تھا)

بدین محمدؐ چناں استوار چو کہہ قاف برخاکداں استوار
(دین محمدیؐ پر اس طرح مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا تھا جیسے روئے زمیں پر کوہ قاف مستحکم کھڑا ہو)

بداد و دہش رتبۂ خود فزود کہ عدلش زنوشیرواں گوی برو
(اس نے داد و دہش کے ذریعہ اپنا مقام بلند کیا (بخشش وسخاوت) کہ اس کا عدل وانصاف نوشیرواں عادل سے لوہا لیتا تھا)

گراں لشکرش بود صد ہزار ہزار و دوصد پیل او درشمار
(سلطان کے عظیم لشکر میں پیادہ نولاکھ سپاہی تھے اور بارہ سو ہاتھی سوار سپاہی موجود تھے)

ہمش بود صحرائی پیلان بدست زگرزِ گراں فرق شیراں شکست
(اس کا عزم وارادہ جنگلی ہاتھیوں کو بھی زیر کرتا تھا وہ اپنے وزنی گرز سے شیروں کا سر توڑ تا تھا)

زبس قلعۂ بیستوں رشک داشت زہر یک ازاں سربگردوں فراشت
(اس کی بلندی پر آسمان رشک کرتا تھا بہت سارے مغرور اس کے سامنے جھک جاتے تھے)

رسانده پر از لعل و یاقوت و در زمشرق بمغرب قطار شتر
(اس کی بارگاہ میں ہیرے جواہرات سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں مشرق ومغرب سے چلی آتی تھیں)

زمیں آمدش عاجز از بار گنج زگنج گراں بار او برد رنج
(زمین اس کے خزانوں کے بوجھ سے عاجز آگئی تھی اس کے گنج گرانمایہ کی تاب نہ لاتی تھی)

جہاں بود زاسباب شاہنشہی کہ چوں او نشد درجہاں کس مہی
(اسباب شاہنشاہی سے اس طرح آراستہ تھا کہ اس جیسا اس دنیا میں دوسرا کوئی نہ ہو)

بمرد ا جنگی شوخ روز بنرد زبس تند مرداں برآورد گرد

(جنگ میں بڑے بڑے پہلوانوں کو چت کردینے والا ان کو خاک چٹانے والا تھا)

جو زال آمدہ رستمش در شمار شدہ شیر چوں گور اوراشکار

(رستم جیسا طاقتور اس کے آگے بوڑھا اور کمزور ہوجاتا تھا شیر بڑی آسانی سے جنگلی گدھے کی مانند اس کا شکار ہوجاتا تھا)

بدریا چو ماہی نہنگش بدام بصحرا چو آہو برہ شیر رام

(اس کے جال میں پانی کے اندر مگرمچھ اس طرح آجاتا ہے جیسے مچھلی، جنگل کا شیر بچہ آہو کی طرح اس کا مطیع ہوجاتا ہے)

زمردیٔ ان خسرو پیل زور بیفتاد درہفت اقلیم شود

(ہاتھی کی طاقت رکھنے والے اس سلطان کی جوامردی کے چرچے ساری دنیا میں ہورہے تھے)

مرہٹہ مغل قوم انگریز ہم زرعب و بہنیش تپاں بیش و کم

(مرہٹے مغل قوم اور انگریز سپاہی اس کے رعب و داب کی گرمی سے جلتے اور پیچ و تاب کھاتے رہے ہیں)

جواں قوی ہیکل و زور مند کہ آور و عفریت را زیر بند

(سلطان قوی ہیکل، طاقتور اور ایسا جنواں مرد تھا کہ اس نے عفریت اور دیو کو بھی گرفتار کر رکھا تھا)

قدم بر رہ نیک مردے سپرد ہنرمند زانعام او بہرہ برد

(اس نے اچھے اور نیک پیش رووں کا راستہ اختیار کر رکھا تھا اور ہنرمندوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کردیتا تھا)

سرش پر تحمل دلش برقرار نمازی و شب خیز و پرہیز گار

(اس کا سر صبر و تحمل سے بھرا ہوا تھا اور دل بڑا ہی مطمئن تھا اس لئے کہ وہ نمازی، تہجد گزار اور نہایت متقی تھا)

دلش بود تیغی باٰبِ علوم دلی نرم از عاجزی ہمچو موم

(اس کا دل علوم کی آب و تاب سے آبدار تلوار کی طرح چمک رہا تھا اور اس کا قلب انکسار و خاکساری کی وجہ سے موم بنا ہوا تھا)

نویسندۂ خوب ، زریں قلم باوراق خورشید و مہ زد رقم

(وہ خوش خط تھا، اس نے زریں قلم سے شمس و قمر کے اوراق پر اپنی تاریخ ثبت کردی تھی)

زباں آوراں را نوازش نمود زگنج و زاقبال عزت فزود

(اس نے شعراء و ادباء کی خوب قدردانی کی اور انہیں مال و دولت اور جاہ و منصب سے سرفراز کیا)

بجان دوست می داشت خوانندہ را نویسندۂ علم دانندہ را

(اس نے حضرات اہل علم اور اصحاب قلم کو اپنا محبوب اور جگری دوست بنا رکھا تھا)

در ایام او شاد بودند خلق بجائے خود آباد بوند خلق

(اس کے عہد میں تمام رعایا شاد کام و مسرور رہتے تھے عوام الناس اسکی سلطنت میں بخوشی آباد تھے)

بخلق آنچناں رہبر دیں شدہ کہ چوں او نہ کس رہبر دیں شدہ

(اپنے رعایا کی دینی رہبری بھی اس نے کی تھی اس طرح پر کہ لوگ کسی دوسرے دینی پیشوا سے بے نیاز ہوگئے تھے)

بسا کافراں را مسلماں نمود بایشاں رہِ دین و ایماں نمود

(بہت سارے کافروں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا اور انہیں دین وایمان کی راہ دکھائی)

دفینہ لبالب زگنج گراں زقاروں فزوں داشت درکداں

(بیش قیمت خزانے سے بھرا پڑا تھا دفینہ زمین کے اندر تہہ خانوں میں قارون سے بھی زائد خزینے موجود تھے)

زرش بود انبار جوں بیستوں خزائن ز در بودش از حدبروں

(اس کے زر و جواہر کے انبار آسمان کی بلندی کو چھوتے تھے موتیوں سے بھرے ہوئے خزانے اندازے سے بھی زائد تھے)

بدرویش شدا آنچناں گنج ریز کہ نیساں ز گوہر بکاں گنج ریز

(ایسے بیش قیمت و بے بہا خزانے درویشوں میں اس طرح سخاوت کردیتا تھا جیسا کہ باران نیساں موتیوں سے خزانے کے کان بھر دیتا ہے)

قوی وست باتیغ و تیر و تفنگ ز بیمش شدہ نرم چوں موم سنگ

(تیر و تفنگ اور تلوار سے نہتا دست بہ دست مقابلہ کرتا تھا اس کے خوف سے پتھر بھی موم کی طرح نرم ہوجاتے تھے)

دلاور بمیدان و رزم آزمائی زنیروئی دشمن نیامد زپائی

(وہ بہادر تھا میدانِ جنگ کا کافی تجربہ رکھتا تھا دشمن کی طاقت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا تھا)

عدو را چناں برد در روز جنگ کہ کنجشک را باز گیرد بہ جنگ

(دشمن کو جنگ کے وقت اس طرح قابو میں کیا کرتا تھا جیسا کہ چڑیا کو باز اپنے پنجے میں دبوچ لیتا ہے)

دلِ نیک مرداں از و شاد کام برآورد بیخ بدی را تمام

(اہل خیر ونیکوکار اس سے بہت خوش تھے کہ اس نے برائی اور بدی کی بیخ کنی کی تھی)

زعدلش باہو برہ مادہ شری شراز شیر دادن جومادر دلیر

(اس کے عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ اس کی وجہ سے ہرنوٹے (ہرن کے بچہ) کو شیرنی مادر مہربان کی طرح دودھ پلاتی تھی)

بانصاف میداشت آن دست برد کز یک چشمہ گور وہلنگ آب خورد

(اس کے انصاف کی تاثیر کی وجہ سے ایک ہی چشمے سے جنگلی گدھا اور چیتا دونوں بیک وقت سیراب ہوتے تھے)

گہر بارش از دادآن کوہ وزن پنہ جت درغارشیران گوزن

(کبھی جنگل اور پہاڑوں میں تیز بارش پڑتی تو بارش سے بچنے کی لیے بارہ سینگا شیر کے غار میں بے تکلف پناہ لیتا تھا)

چو بُز نرم خو گرگ از بیم او شد از کاہ ہمراہ بز قوت جو

(سلطان کے خوف کے مارے بھیڑیا بھی بکرے کی طرح بالکل نرم خو اور بے ضرر ہوجاتا تھا کہ وہ اپنی غذا بھول کر بھیڑ بکریوں کی طرح گھاس پھوس کھانے لگتا تھا)

چو شاہ سکندر رعیت نواز زشاہنشہی چوں سلیماں نواز

(سکندر بادشاہ کی طرح رعایا پرور تھا بادشاہیت میں حضرت سلیمان کی طرح کہہ ومہہ کو نوازتا تھا)

ہو خضر از بزرگی نکو یافت بہر ز آب کرم زندگی بخش دہر

(اس نے حضرت خضرؑ کی طرح نیکی اور خیر کا بڑا حصہ پایا جودوسخا کے آب حیات سے زمانہ کو حیات آفریں کردیتا تھا)

خدا ترس دانندۂ نیک وبد کہ ماند نکو نامیش تا ابد

(خوف خدا کا حامل تھا نیک وبد سبھی کو عطا وسخا سے نوازتا تھا تا کہ اس کی نیک نامی ابدالآباد تک باقی رہے)

جواں شاد ازروی او نیز پیر ز خرم دلی پشت پیراں چوتیر

(پیر وجوان سبھی لوگ اس سے خوش رہتے تھے خوش دلی کے سبب سے عمر رسیدہ خمیدہ پشت تیر کی طرح سیدھے ہوگئے تھے)

چو جمشید گردید مجلس فروز چہ جمشید کز رشک ماندی سوز

(جمشید کی طرح اس کی محفلیں ہمیشہ گرم رہا کرتی تھیں جمشید بھی انہیں دیکھ کر رشک کے مارے جلتا ہوگا)

بفر فریدون جہاں داشتہ ہمہ تخم عدل و کرم کاشتہ

(بادشاہ فریدوں کی شان وشوکت جہاں رکھتا تھا وہیں عدل وانصاف کی فصل بھی تیار کرتا تھا یعنی انصاف کے تقاضے پورے کرتا تھا)

نیامد جوانمرد لیش در شمار که شد بحر تحسین او بے کنار

(اس کی جوانمردی کا کوئی حساب وکتاب ہی نہیں ہے کہ اس کی دادو تحسین کا سمندنا پید کنار ہے)

چو کسریٰ شہے چند انصاف راند بفرق جہاں در نیکی فشاند

(نوشیروان عادل کی طرح سلطان بھی بے حد منصف مزاج تھا کہ اس نے دنیا کی مانگ موتیوں سے بھر دی)

چو در مہر اقبالش آمد زوال فلک خواستش تا کند پائمال

(جب سلطان کی اقبال مندی کا سورج زوال پذیر ہونے لگا تو فلک نے اس کو پامال کر دینا چاہا)

دل دشمناں زو بتنگ آمده زشمشیر فتنہ بجنگ آمده

(دشمنوں کے دل حسد سے بھر گئے سینہ تنگ ہونے لگا تو دشمن فتنہ وفساد کی تلوار سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے)

فرنگی و مغل مرہٹہ تمام نمودند درکشتنش اژدھام

(انگریز قوم مغل سپاہی مرہٹہ فوج سب کے سب اس کی جان کے درپے ہو گئے)

جہاں درجہاں راند سوئش حشم پیٔ جنگ افراشتہ شد علم

(ملک ملک اور شہر شہر سے اس کی طرف سپاہی لائے گئے اور جنگ کے لیے علم بغاوت بلند کیا گیا)

چناں آتش رزم افرختہ کزاں برق جان جہاں سو ختہ

(جنگ کی آگ اس طرح بھڑک اٹھی کہ اس نے ساری انسانیت کو خاکستر کر دیا)

سر ناوک و گرد ہائی تفنگ برو رفت از آہن و خارہ سنگ

(تیر کے پھل اور بندوق کا دھواں ہر ایک سخت پتھر اور لوہے سے باہر نکلنے لگے یعنی ہر طرف سے گھمسان کی لڑائی جاری ہوگئی)

زشمشیر دریائی خوں شد رواں در و غوطہ خوردند پیر و جواں

(سلطان کی تلوار سے خون کا دریا ایسا بہہ نکلا کہ جس میں پیر و جواں غوطہ کھانے لگے تھے)

زخون تن خستہ چاک چاک بہ رخ پردۂ سرخ افگند خاک

(بدحال اور زخموں سے چور جسموں سے بہنے والے لہو سے پریشان ہو کر زمین نے اپنے چہرے پر سرخ نقاب ڈال لیا)

سر پہلواناں ز گوہال خشت بنوک سناں جان عالم تشت (نششت)

(جنگ آزمودہ پہلوانوں کے سر نیزوں کی زینت بن گئے بڑے بڑے سرداروں کی روحیں تیر وسناں کی نوک پر جا بیٹھیں)

دل سنگ شہ خستہ از نوک تیر ز پستانِ او خوں رواں شد چو شیر

(اُس کے تیروں کی نوک اور بوچھاڑ سے پتھر دل چھلنی ہوگیا۔اس کے سینے سے دودھ کی طرح لہو جاری ہوگیا)

زنوک سناں چرخ شد لالہ راز زمین داشت از خوں چو گلشن بہار

(نیزے کی نوک کی وجہ سے فلک سرخ لالہ زار ہوگیا زمین خون سے گلشن بہار کی مانند سرخ رو ہوگئی)

مبارز کہ از خوں بس آلودہ بود دراں باغ چوں شاخ گل می نمود

(میدان جنگ جو کہ لہو کے بہنے سے آلودہ ہوگیا تھا اس سرزمین پر شاخ گل کی طرح پھول کھلنے لگے)

گرو برد آں خوں زطوفان نوح بر وز و رق چرخ زد چوں صبوح

(طوفان نوح سے اس لہو نے رہن لے رکھا تھا فلک کی ناؤ اس پر چلائی جیسا کہ صبح کی شراب پی جارہی ہو)

شدہ چرخ از عکس خوں سرخ رنگ زبارش سر خاک آمد بتنگ

(آسمان لہو رنگ سے سرخ معلوم ہونے لگا بارانِ خوں سے سرزمین تنگ آگئی)

ز خوں فرش رنگیں فلک زد بخاک پیٔ جان عالم ملک زد بخاک

(سرخ آسمان نے زمین پر لہو بہادیا پھر اسے جان عالم کے لئے فرشتے نے مٹی میں ملادیا)

گراں بار گردید عنبر ز خوں شد از بار گاؤ زمیں سرنگوں

(یہ اس لئے کہ آسمان خون کے وزن سے گرانبار ہوگیا تھا اور وہ گائے جس پر زمین ٹھہری ہے وزن سے جھک گئی تھی)

رگ خاک از خوں شدہ چشمہ ریز جو فوارہ برآسماں تند خیز

(زمین کی شہہ رگ سے خون کا سرچشمہ جاری ہوگیا جو پر فوارے کی طرح اٹھ کر آسمان تک پہنچا)

زہر سو رواں خوں زمردم بجنگ ازاں سیل شد بحر مرجاں برنگ

(جنگ کے میدان میں لوگوں کا خون ہر طرف رواں تھا جو مرجان کی طرح سرخ سیلاب میں تبدیل ہوگیا)

چناں رنگ خوں بود برروئی خاک کہ گل گونہ زیبد بہ رخسار پاک

(دھرتی کے رخ پر اس قدر خون جمع ہوگیا کہ کسی بھی پاک رخسار پر اتنا سرخ رنگ زیب نہیں دیتا ہے)

دراں بزم شد شیشہ ہا سرنگوں روانہ چو سیلاب صہبائی خون

(اس میخانۂ کارزار میں بے شمار ساغرومینا چھلکے جس سے مئے ناب خوں سیلاب بن کر رواں ہوگیا)

ز جان پائی خلق آسمان پر شدہ بفریاد کون و مکان پر شدہ

(ارواح انسانی سے آسمان بھر گیا زخمیوں کی آہ وبکا سے کون ومکاں دہل گئے)

تف تیغ کرد آسمان را سیاہ چناں کز دل سوختہ دود آہ

(تلوار کے بخارات نے آسمان کو اس طرح سیاہ کردیا جس طرح کہ نالہ وشیون کرنے والے کے دل سے نکلنے والا دھواں)

ز آوازۂ منجنیق و تفنگ بلرزہ فتاد از سر کوہ سنگ

(بندوق اور توپوں کی آواز سے کوہ وجبل پر لرزہ طاری ہوگیا)

زبس نعرۂ مردمان دلیر زصحرا گریزندہ شر تند شیر

(بہادر سپاہیوں کے نعروں سے گھبرا کر جنگل کے شیر بھی اپنے ٹھکانے چھوڑ کر راہ فرار اختیار کررہے تھے)

ز جولانئ اسپ و پیل و شتر زمین گرد شہ چرخ از گرد پر

(گھوڑے، ہاتھی اور اونٹوں کے جوش وولولہ کی وجہ سے اٹھنے والی گرد فلک پر پہنچی تو فلک دھرتی معلوم ہونے لگا)

ز زخم جگر دوز تیر خدنگ جگر پارہ بیرون زدہ لالہ رنگ

(تیر اندازوں کی کمان سے نکلنے والے تیر جگر کو چھلنی کررہے تھے تو اس وقت جگر کے ٹکڑے گل لالہ کی طرح روزنوں سے نکل پڑرہے تھے)

دم تیغ شد آنچناں کارگر کزیک ضرف افگند ہفتاد سر

(آبدار تلوار کی ضرب کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی وار سے ستر سرزمین بوس ہورہے تھے)

جہانی عرادہ شد سوختہ سر از پائی خلد از خدنگ دوختہ

(چھوٹے چھوٹے منجنیق اور توپوں سے نکلنے والی آگ سے ایک عالم جل رہا تھا اور نیزے سر سے پاؤں کو ملا کر سی رہے تھے)

صف مردہ افتادہ یکجا چو کوہ صف زندہ از زخمہا شد ستوہ

(میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے زخمیوں کی طول طویل صف بندھ گئی تھی)

چہ سرہاز گردن بخاک اوفتاد چہ پہلوئے مردان چہ چاک اوفتاد

(جسم سے سر قلم ہو کر زمین پر دھڑا دھڑ گر رہے تھے سپاہیوں کے پہلو سے کتنے ہی چاک جگر نکل پڑ رہے تھے)

ز بسیارئی پیل و اسپ و سپاہ ہوا در وزیدن نمی یافت راہ

(ہاتھی، گھوڑے اور سپاہیوں کی اس قدر کثرت تھی کہ ہوا کے لیے بھی نکلنے کی راہ مسدود ہوگئی تھی)

ز خنجر دریدہ شکم تا بناف بمردہ کجا عاقبت در مصارف

(خنجر کے چلنے سے جسم میں سینے سے ناف تک شگاف پڑ جاتا تھا، میدان جنگ میں مردوں کو بھی کہاں چین میسر آتا ہے)

یکی دو شداز تیغ برندہ تر شدہ چار دو از حسام دوسر

(تلوار کی کاٹ سے ایک جسم دو میں تقسیم ہوتا دو نیم تلوار کی ضرب سے دو تن چار میں بدل جاتے تھے)

جہاں شد پر از دود قارورہ ہا نظر رہ بمردم نمیگرد را

(قاروروں کے بخارات سے ایک عالم بھر چکا تھا حاجت روائی کے وقت گھبراہٹ میں لوگوں کی نگاہ سے خود کو بچانے کی راہ نہیں مل رہی تھی)

نماندہ ز کس مہر در جان کس کجا بود جز دشمنی کار و بس

(کسی بھی شخص میں مہر ومحبت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی سوائے دشمنی اور عداوت کے کچھ بھی وہاں باقی نہ تھا)

شبان را بود صلح بہتر نہ جنگ دل خلق از جنگ آمد بتنگ

(راتوں میں صلح بہتر رہے گی نہ کہ جنگ دن رات جنگ کرتے کرتے لوگوں کے دل تنگ آچکے تھے)

زبون گشت مردم زجنگ عظیم چو کافر کہ عاجز زنار جحیم

(اس عظیم جنگ سے لوگ عاجز آچکے تھے جیسا کہ کافر جہنم کی آگ سے عاجز آجاتے ہے)

چنان ہر دو لشکر در آمیخ تند کہ درجام شیر آب را ریخ تند

(دونوں طرف کے سپاہی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے تھے اس طرح کہ دودھ اور آب آپس میں مل جاتے ہیں)

زبردست افتاد دشمن بہ شاہ زبندوق او گشت لشکر تباہ

(سلطان کے اردگرد دشمن کی فوج نے کثرت سے جمع ہو کر ہلاّ بول دیا تھا سلطان کا لشکر دشمن کی بندوقوں کی زد میں آگیا تھا)

گرفتند قلعہ سپاہِ عدو پئے شہ فتادند در جست جو

(دشمن کی فوج قلعہ گیر ہو کر اس میں داخل ہوگئی اور سلطان کو تلاش کرنے کے درپے ہوگئی)

بآخر نمود ندشہ را شہید بروز جہاں شام ماتم دمید

(انجام کار سلطان کو دشمن نے جام شہادت نوش کرنے پر مجبور کردیا اس دن سارے عالم میں صف ماتم بچھ گئی)

وفاتش بتاریخ الحال گیر ہزارو دو صد سیزدہ سال گیر

(سلطان کی وفات حسرت آیات کی تاریخ سن لے دو ہزار، دو سو تیرہ سال ہجری جان لے)

جہاں خوار گردید از رفتنش فلک زاد گردید از رفتنش

(دنیا اس کی رخصت کی وجہ سے ذلیل وخوار ہوگئی آسمان اس کے انتقال پر زار وقطار رونے لگا تھا)

بدلہا ز ماتم در افتاد شور کہ رفت از جہاں خسرو پیل زور

(دلوں میں ماتم سے ہیجان برپا ہوگیا کیونکہ دنیا سے شہہ زور حاکم اٹھ گیا)

مگر رزق را بود باعث بخلق سپہ بود از و خرم واہل دلق

(سلطان عادل مخلوق کے لیے رزق رسانی کا سبب تھا اہل دل، اہل ہنر سپاہی، درویش سبھی اس سے خوش تھے)

ز فاقہ کنوں خلق شد بس ہلاک دہنہا بجائی شکر پر ز خاک

(اس کے داغ مفارقت دے جانے کے بعد مخلوق فاقوں سے ہلاک ہونے لگی منہ شکر کی بجائے مٹی سے بھرے جارہے تھے)

بد و رزق جمہور موقوف شد قضا نام رزق از خلایق زدود

(اس پر عوام الناس رعایا کی روزی موقوف تھی موت نے اس کے بعد روزی کے نام ہی کو مٹا دیا تھا)

چناں مرد مانند محتاج تر کہ گیرند نان پارہ را ہمچو زر

(رعایا نان شبینہ تک کی اس طرح محتاج ہوگئی کہ روٹی کے ٹکڑے کی قدر سونے کے برابر ہوگئی)

نہ بینند درخواب جز روئ نان کہ آید بخواب آنچہ گردد بجان

(انہیں خواب میں سوائے روٹی کے کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا یہ سچ ہے کہ آدمی کو اسی کا خواب پڑتا ہے جس کا وہ زیادہ محتاج رہتا ہے)

نیر ز د سپاہی بیک دانہ جو نماید چو مرغ از پیٔ دانہ دو

(سپاہیوں کو ایک جو کا دانہ بھی میسر نہیں تھا وہ دانہ کے پیچھے مرغ کی طرح دوڑے چلے جاتے تھے)

بہمراہ او رفت روزیٔ خلق ز رنگ جہاں دل فروزیٔ خلق

(سلطان کے ساتھ ہی رعایا کی روزی بھی رخصت ہوگئی دنیا کی رنگارنگی سے مخلوق کے لیے دلکشی ختم ہوگئی)

جو شہ رخت بندد بملک فنا شود راہ سختی سوئی خلق وا

(جب سلطان ملک فنا سے ملک بقا کی طرف چل دیا تو مخلوق رعایا پر سختی و مصیبت کی راہ کھل گئی)

شہا باید از ملک باشی نغور کہ روزی شود شاہ از ملک دور

(بادشاہ اسی وقت ملک سے دور ہوجانا چاہتا ہے جبکہ رزق اور حصول روزی ملک سے دور ہوجاتے ہیں)

نہ بندی بملک جہاں جان خویش کہ ملک جہاں را زوال است بیش

(اے شخص تو اپنا دل اس فانی دنیا سے مت باندھ اس سے لو مت لگا کیونکہ اس کا مقدر زوال پذیری ہے)

زنقصان بری ملک درویشی راست جہاں بادشاہی مرا ورا سزا

(نقصان و زوال سے بچاؤ صرف درویشی کی سلطنت کے لیے خاص ہے جہاں بادشاہی سزاوار ہے)

ایران میں برصغیر کے فارسی متون سے اعتناء
۱۹۷۸ء کے بعد

ڈاکٹر عارف نوشاہی

تمہید کے طور پر دو باتیں عرض کردوں، پہلی یہ کہ اس مقالے میں ایران میں برصغیر شناسی کی تاریخی روایت کے جائزے سے صرفِ نظر کیا گیا ہے کیوں کہ یہ ایک الگ مضمون کا متقاضی ہے؛ دوسرا ۱۹۷۸ء کی حدّ فاصل اس لیے کھینچی گئی ہے کہ یہ سال ایران کی معاصر تاریخ میں اہم ترین سال ہے اور ایران کی حیات نو کا نقطۂ آغاز ہے۔ فروری ۱۹۷۸ء میں وہاں ڈھائی ہزار سالہ ملوکیت کا خاتمہ اور اسلامی جمہوری دور کا آغاز ہوا۔ اس انقلاب نے وہاں مسائل کو دیکھنے اور جانچنے کا رویہ ہی بدل ڈالا۔ اس میں تہذیبی اور ادبی مسائل بھی شامل ہیں۔ ۱۹۷۸ء کو اس جائزے کا نقطۂ آغاز بنانے کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی ہے کہ برصغیر میں فارسی ادب اور ایرانیات کا ذوق رکھنے والی بزرگ نسل عام طور پر شکایت کرتی ہے کہ ۱۹۷۸ء کے بعد ایران نے برصغیر میں فارسی کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور وہاں برصغیر سے متعلق فارسی سرمایۂ ادب کی اشاعت رک گئی ہے یا محدود ہوگئی ہے۔ اس غلط فہمی کے کئی اسباب ہیں۔ ایران کو ۱۹۷۸ء کے حوادث کے بعد فوراً عراق کے ساتھ جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ اس جنگ نے گیارہ سال طول کھینچا۔ اس جنگ کی وجہ سے وہاں سب کچھ تہ و بالا ہوگیا۔ جنگ کے دوران اور جنگ بندی کے فوراً بعد ملک کی بحالی نو کی پالیسیاں مرتب کرتے وقت ظاہر ہے بیرونی ممالک میں فارسی کی سرپرستی اولین ترجیح نہیں تھی۔ لیکن حالات معمول پر آتے ہی ایران نے اپنی ثقافتی پالیسی پر نظر ثانی کی اور ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں پورے زور وشور سے جاری ہوگئیں۔ اس وقت مشرق وسطی اور ایشیا کے اسلامی ممالک میں کتابوں کی اشاعت کا سب سے بڑا

ادارۂ معارف نوشاہیہ، ۶۹ ماڈل ٹاون، ہمک، اسلام آباد۔

مرکز تہران ہے۔ وہاں ہر سال مئی میں دو ہفتے کے لیے کتابوں کی بین الاقوامی نمائش منعقد ہوتی ہے، جن لوگوں نے اس نمائش میں شرکت کی ہے وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ایران میں ادبی، ثقافتی امور کی پرداخت اور کتب کی اشاعت پر کس قدر سرمایہ لگایا جا رہا ہے۔

جو مواد ایران میں برصغیر سے متعلق شائع ہوتا رہا ہے یا ہو رہا ہے اس سے روز بہ روز اور تازہ بہ تازہ آگاہی حاصل کرنے کا دراصل ہمارے ہاں کوئی منظم ذریعہ نہیں ہے، لہٰذا رابطے کے اس فقدان سے ہماری بزرگ نسل یا کچھ اور طبقوں نے بھی یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایران نے فارسی کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ ہمیں اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ہماری یونی ورسٹیوں یا علاقائی مطالعاتی مراکز نے کبھی ایسا ڈیٹا جمع اور شائع کرنے کی کوشش ہی نہیں کی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ غیر ممالک میں ہمارے بارے میں کیا کیا کام ہو رہے ہیں۔

ایران میں برصغیر سے متعلق جاری علمی سرگرمیوں کے کئی محور ہیں:

۱۔ برصغیر کے بارے میں کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ ۲۔ برصغیر کے مصنّفین کی فارسی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ ۳۔ برصغیر کے مصنّفین کی اردو اور انگریزی کتابوں کے فارسی تراجم چھپ رہے ہیں۔ ۴۔ برصغیر کے بارے میں خصوصی دائرۃ المعارف تیار ہو رہے اور چھپ رہے ہیں۔ ۵۔ ایرانی انسائیکلوپیڈیاؤں میں برصغیر کے بارے میں مقالات شامل ہو رہے ہیں۔ ۶۔ ایسی کتابیں بھی شائع ہو رہی ہیں جو بالواسطہ برصغیر کے مطالعات کے لیے مفید ہیں۔ ۷۔ برصغیر میں موجود فارسی مصنّفین کی تصانیف کے نادر مخطوطات کی بنیاد پر متون شائع ہو رہے ہیں یا ان سے تطابق اور تقابل نُسخ میں مدد لی جا رہی ہے۔ ۸۔ برصغیر میں آنے والے ایرانی یا وسطی ایشیائی مصنّفین کی وہ تصانیف بھی چھپ رہی ہیں جو انھوں نے برصغیر میں رہ کر تصنیف کیں اور ان میں یہاں کی خوشبو شامل ہے۔

غرض کہ یہ ایک ایسا ہے جس پر اگر جم کر کام کیا جائے تو حوالے کی ایک معتبر کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

۱۹۸۹-۱۹۹۵ء میں تہران میں قیام کے دوران میں نے اپنے ہندوستانی رفیق ڈاکٹر سید حسن عباس صاحب کے ساتھ مل کر ایک علمی منصوبے پر کام شروع کیا تھا۔ منصوبے کا بنیادی موضوع

یاہدف ''ایران میں مطالعات برصغیر کا جائزہ'' تھا۔ اس کی جہات بہت وسیع تھیں، مثلاً:

ایران میں برصغیر کے مصنّفین کے مخطوطات کی نشان دہی۔ ایران میں برصغیر کے مصنّفین کی شائع ہونے والی کتب کی فہرست۔ ایرانی رسائل اور جرائد میں برصغیر سے متعلق شائع ہونے والے ادبی اور علمی مقالات کا اشاریہ۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر سید حسن عباس صاحب نے بلا مبالغہ سینکڑوں یادداشتیں تیار کر لی تھیں۔ چوں کہ وہ مجھ سے پہلے تہران سے واپس وطن لوٹ گئے تھے، لہٰذا وہ تمام یادداشتیں میرے حوالے کر گئے اور اس کام کو جاری رکھنے کے لیے کہا۔ میں بھی اس پر بہ تدریج اضافہ کرتا رہا۔ اس وقت یہ سینکڑوں یادداشتیں کارڈوں، کاغذ پاروں پر لکھی ہوئی میرے پاس، اسلام آباد میں محفوظ ہیں لیکن انہیں ترتیب دینے کی فرصت نہیں ملی اور سچی بات تو یہ ہے مستقبل میں بھی اس امر کا کوئی امکان بھی نہیں ہے کہ میں تن تنہا ان یادداشتوں کو مرتب کر سکوں۔ اگر کوئی نوجوان محقق ان کی ترتیب و تدوین میں میرا ہاتھ بٹائے اور اس کی اشاعت ممکن ہو سکے تو ''ایران میں برصغیر کے مطالعات'' کی جہات اور دل چسپیوں کو سمجھنے کے لیے یہ اولین قدم ہوگا۔ آنے والے محققین اس کی تکمیل کرتے رہیں گے۔

اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ ایران میں ۱۹۷۸ء کے بعد سے برصغیر کے قدیم مصنّفین کے کلاسیک فارسی متون مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ یہ متون ادب، تاریخ، اسلام اور تصوف سے متعلق ہیں۔ اس ایک مقالے میں پچھلی ربع صدی میں ایران میں شائع ہونے والی برصغیر کے مصنّفین کی تمام فارسی کتابوں کی فہرست پیش کرنا تو ممکن نہیں ہے، صرف عمومی دل چسپی کی حامل چند اہم کتب کا تعارف، جو انقلاب ایران کے بعد ۲۰۰۵ء تک شایع ہوئی ہیں، پیش کیا جا سکے گا۔ یہ جائزہ تین بنیادی موضوعات کا احاطہ کرتا ہے:

ادبی متون: جس میں شعرا کے دواوین، تذکرے اور لسانیات سے متعلق کتب شامل ہیں۔

تاریخی متون: اس میں سیاسی تاریخیں اور ملوک و امراء کے تذکرے شامل ہیں۔

دینی متون: اس میں اصول تصوف پر کتب اور صوفیہ کے تذکرے شامل ہیں۔

یہ بات بھی قابل ہے کہ ایران میں زیر بحث موضوعات سے متعلق جو مواد شائع ہو رہا ہے وہ فنی اعتبار سے تین طرح کا ہے:

۱۔پہلوی دور میں شائع ہونے والی کتب کی دوبارہ عکسی اشاعت۔ ۲۔پاکستان و ہند میں شائع ہونے والی فارسی کتب کی عکسی اشاعت یا سنگی چھاپہ کی ٹائپ کاری کے بعد دوبارہ اشاعت۔ ۳۔کسی بھی موضوع پر جدید تدوین و ترتیب کے بعد ایک بالکل نئی اشاعت۔

ادبی متون: مناظر الانشاء: تصنیف عمادالدین محمود گاوان، بہ تصحیح معصومہ معدن کن، فرہنگستان زبان و ادب فارسی، تہران، ۱۳۸۱ش/ ۲۰۰۲ء، خطوط نویسی کے اصولوں پر ہے۔

عطیہ کبری و نعمت عظمی: تصنیف سراج الدین علی خان آرزو، علم بلاغت پر دو کتابیں، بہ اہتمام سیروس شمیسا، انتشارات فردوس، تہران، ۱۳۸۱ش/ ۲۰۰۲ء۔

جواب شافی (رسالہ ای در نقد ادبی): تالیف سیالکوٹی مل وارستہ، بہ تصحیح سیروس شمیسا، دانش گاہ علامہ طباطبائی، تہران، ۱۳۸۳ش/ ۲۰۰۴ء، یہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے مخطوطہ مکتوبہ ۱۲۰۶ھ پر مبنی ہے۔ مرتب نے مقدمے میں ہندوستانی اعلام کو غلط پڑھا ہے۔ مثلاً غلام علی آزاد بلگرامی کا نام محمد علی آزاد بلگرامی لکھا ہے۔ (ص ۴۷)

غزالان الہند: تالیف میر غلام علی آزاد بلگرامی، بہ تصحیح سیروس شمیسا، انتشارات صدائے معاصر، تہران، ۱۳۸۲ش/ ۲۰۰۳ء، یہ ایڈیشن مدرسۂ عالیہ ڈھاکہ اور دانش گاہ تہران کے قلمی نسخوں پر مبنی ہے۔ ایرانی مرتب نے سرورق پر اور مقدمے میں کتاب کا نام غزالان الہند چھاپا ہے جو صریحاً غلط ہے۔

دواوین: دواوین شعراء میں کچھ تو ایسے ہیں جو پہلوی دور میں بھی شائع ہوئے تھے اور اب ان کی دوبارہ، سہ بارہ اشاعت ہو رہی ہے۔ جیسے امیر خسرو، فیضی اور علامہ اقبال کے مجموعہ ہائے کلام۔ ہم ایسی اشاعتوں سے صرف نظر کرتے ہیں اور چند جدید اشاعتوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ شعرا کا ذکر زمانی ترتیب سے ہوا ہے:

دیوان حسن دہلوی: بہ اہتمام سید احمد بہشتی و حمید رضا قلیچ خانی، انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۸۳ش/ ۲۰۰۴ء۔

دیوان میلی مشہدی: بہ تصحیح محمد قہرمان، موسسہ امیر کبیر، تہران، ۱۳۸۳ش/ ۲۰۰۴ء، مکتب وقوع کا یہ شاعر ہمارے ہاں میلی ہروی کے نام سے معروف ہے۔ اکبری دور میں ہندوستان میں رہا ہے۔

نل ودمن: فیضی دکنی، تصحیح ومقدمہ سید آل داود، مرکز نشر دانش گاہی، تہران، ۱۳۸۲ش/ ۲۰۰۳ء، یہ اڈیشن چند قدیم مخطوطات کی مدد سے مرتب ہوا ہے۔

کلیات عرفی شیرازی: بہ تصحیح ڈاکٹر ولی الحق انصاری، انتشارات دانش گاہ تہران، ۱۳۷۸ ش/ ۱۹۹۹ء۔

دیوان ابو طالب کلیم ہمدانی: بہ تصحیح محمد قہرمان، موسسہ انتشارات و چاپ آستان قدس رضوی، مشہد، ۱۳۶۹ش/ ۱۹۹۰ء، یہ ایرانی شاعر بھی ہندوستان میں رہا ہے۔

کلیات نجیب کاشانی: نورالدین محمد شریف کاشانی (۱۰۶۳۔ ۱۱۲۳ھ)، مقدمہ و تصحیح و تعلیقات اصغر داد بہ و مہدی صدری، مرکز نشر میراث مکتوب، تہران، ۱۳۸۴ش/ ۲۰۰۴ء، سبک ہندی کا یہ شاعر ایران سے کشمیر اور ہندوستان آیا تھا۔

جب سے ڈاکٹر محمد رضا شفیعی کدکنی کی بیدل کے بارے میں اور اس کے کلام کے انتخاب پر مشتمل کتاب شاعر آینہ ہا (اشاعت اول نشر آگہ، تہران، ۱۳۶۶ش/ ۱۹۷۷ء) شائع ہوئی ہے، ایران میں بیدل کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ خود اس کتاب کے اب تک پانچ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ افغانستان میں بیدل کا جو کلیات چھپا تھا، اس کی تجدید اشاعت تہران میں ہوئی ہے۔ بیدل کے افکار اور اسلوب اشعار پر اور بھی کئی کتب شایع ہو چکی ہیں۔ دراصل ایران میں بیدل شناسی ایک الگ مقالے کا متقاضی ہے۔

دیوان غالب دہلوی: بہ تصحیح دکتر محمد حسن حائری، مرکز نشر میراث مکتوب، تہران، ۱۳۷۷ ش/ ۱۹۹۸ء۔

شروح: مکاشفات رضوی (شرح مثنوی معنوی): از محمد رضا لاہوری، بہ تصحیح رضا روحانی، انتشارات سروش، تہران، ۱۳۸۱ش/ ۲۰۰۲ء۔

شرح مثنوی مولوی موسوم بہ مخزن الاسرار: از ولی محمد اکبر آبادی، بہ تصحیح نجیب مائل ہروی، نشر قطرہ، تہران، ۱۳۸۳ش/ ۲۰۰۴ء، سات جلدوں میں چھپی ہے۔ یہ اس کے ہندوستانی سنگی چھاپے پر مبنی ہے۔ مرتب نے دانش گاہ پنجاب، لاہور کے ایک قلمی نسخے سے بھی جزوی مدد لی ہے۔ فاضل مرتب کو شارح کے حالات جستجو کے باوجود نہیں مل سکے۔

شرح عرفانی غزلہای حافظ: سیف الدین ابوالحسن عبدالرحمان ختمی لاہوری، بہ تصحیح و تحقیقات بہاء الدین خرم شاہی وکورش منصوری وحسین مطیعی امین، تہران، ۱۹۹۵ء، چار جلدیں ہیں۔ ختمی لاہوری کی مجمع البحرین ایک دوسری شرح دیوان حافظ ہے۔ اسے عیسیٰ کریمی نے مرتب کیا ہے جو ہنوز طبع نہیں ہوئی۔

بدر الشروح: از بدر الدین اکبرآبادی، ہندوستان کے سنگی چھاپے کے ایک سے زائد بار عکسی ایڈیشن آچکے ہیں۔

شرح فارسی قصیدۂ بانت سعاد (الروض المنمنم): از ابوموسیٰ احمد الحق قریشی اموی عثمانی، تصحیح، مقدمہ وتعلیقات محمد کاظم کہدوی ورضا انجمیو عقدا، دانش گاہ ایزد، ۱۳۸۱ش / ۲۰۰۲ء۔

شارح کا تعلق بنگال سے ہے۔ یہ شرح ۱۳۱۷ھ میں لکھی گئی اور نواب سر احسن اللہ خان نواب ڈھاکہ کو پیش کی گئی۔ شرح کے مرتبین نے اپنے مقدمہ میں شارح کے سلسلہ میں مکمل خاموشی اختیار کی ہے۔ انہیں شرح کا نسخہ کہاں سے حاصل ہوا؟ اس بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا گیا، اس کتاب کے مرتب محمد کاظم کہدوی کچھ عرصہ ڈھاکہ یونیورسٹی میں ایرانی استاد مدعو کے طور پر قیام پذیر رہے ہیں اغلب ہے کہ یہ اسی دوران کی دریافت ہے۔

تذکرے: احمد امین رازی کا تذکرہ ہفت اقلیم اگرچہ کلکتہ اور تہران سے چھپ چکا ہے، لیکن اس کی ایک جدید اشاعت بھی قابل توجہ ہے۔ سید محمد رضا طاہری "حسرت" کی تصحیح، تعلیقات اور حواشی کے ساتھ یہ تذکرہ تین جلدوں میں شائع ہوا ہے (سروش، تہران ۱۹۹۹ء)۔ یہ اشاعت ایک ہندوستانی کاتب پیر کمال سرہندی کے مکتوبہ دو نسخوں مخزونہ مدرسۂ عالی شہید مطہری (سپہ سالار سابق)، تہران مکتوبہ ۱۰۲۴ھ اور مخزونہ کتاب خانۂ ملی، تہران، مکتوبہ ۱۰۳۰ھ پر مبنی ہے۔

سلطان محمد مطربی سمرقندی (۹۶۶-۱۰۴۰ھ) کے دو تذکرے شائع ہوئے ہیں۔ ماوراء النہر کا یہ مصنف کچھ عرصہ جہانگیر کے دربار میں رہا تھا اور لاہور میں ٹھہرا تھا۔ یہ دو تذکرے تذکرۃ الشعراء (با مقدمہ و تصحیح اصغر جان فدا، با مقدمہ وتحشیہ وتعلیقات علی رفیعی علاومرودشتی، آینۂ میراث، تہران، ۱۳۷۷ش) اور نسخۂ زیبای جہاں گیر (بہ کوشش اسماعیل بیگ جانوف وسید علی موجانی، کتاب خانۂ بزرگ حضرت آیت اللہ العظمی مرعشی نجفی، قم، ۱۹۹۸ء) ہیں۔ موخر الذکر تذکرہ اس لیے بھی اہم ہے کہ

یہ لاہور میں جہاں گیر کو پیش کیا گیا اور جہاں گیر نے تذکرۂ شعرا کا اپنا ایک مسودہ بھی مصنف کو دیا جو اس نے من وعن اس میں شامل کرلیا ہے۔

تذکرۂ مرآت الخیال: تصنیف شیر خان لودھی، بہ اہتمام حمید حسنی، با ہم کاری بہروز صفر زادہ، انتشارات روزنہ، تہران، ۱۳۷۷ش/ ۱۹۹۸ء یہ بمبئی ایڈیشن ۱۳۲۴ھ کی بنیاد پر چھپا ہے۔

تذکرۂ ریاض الشعرا: علی قلی خان والہ داغستانی، با ہتمام محسن ناجی نصر آبادی، نشر اساطیر، تہران، ۲۰۰۴ء، پانچ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ آخری جلد محض اشاریوں پر مبنی ہے۔ اس کی ایک اور اشاعت بہ تصحیح ابوالقاسم رادفر و گیتا اشیدری، پژوہش کدہ علوم انسانی ومطالعات فرہنگی، تہران، ۱۳۹۱ ش/ ۲۰۱۲ء سے ہوئی۔

سفینۂ خوشگو: بندرابن داس خوشگو کے سفینۂ خوشگو کا دفتر ثالث بہ اہتمام سید عطا کاکوی پٹنہ سے چھپا تھا، لیکن اس کے باقی دونوں دفتر پر کام نہ ہوسکا۔ تہران یونی ورسٹی میں دو ہندوستانی طالب علموں نے پورے تذکرے پر دوبارہ کام کیا ہے سید کلیم اصغر (دفتر دوم وسوم) اور زین العباد (دفتر اول) نے کام کیا ہے۔ دفتر دوم کی اشاعت کتاب خانۂ موزہ ومرکز اسناد مجلس شوری اسلامی کی طرف سے ۱۳۹۰ش/ ۲۰۱۱ء میں ہوئی۔

حزینیات: شیخ محمد علی حزین لاہیجی کا اہل ہند سے جو بھی اختلاف رہا ہو وہ اپنی جگہ، لیکن ان کی عمر کا ایک بڑا حصہ ہند ہی میں بسر ہوا اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔ برصغیر میں فارسی شاعری پر حزین نے بہ ہر حال اپنے اثرات مرتب کیے اور ان کے شاگردوں اور طرف داروں کا ایک گروہ پیدا ہوا۔ حزین کو برصغیر کے فارسی ادب کی تاریخ سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس اعتبار سے ایران میں حزین کے بارے میں جو کچھ شائع ہوتا ہے ہماری توجہ کے لائق ہے۔ دیوان حزین، تذکرۃ المعاصرین، رسائل حزین لاہیجی مرکز نشر میراث مکتوب، تہران سے شائع ہوئے ہیں۔ میں نے حزین نامہ مرتب کیا ہے۔ یہ حزین کے رقعات، ہندوستان میں لکھی جانے والی حزین کی ایک منفرد فارسی سوانح عمری اور حزین سے متعلق کچھ اور مواد پر مشتمل مجموعہ ہے۔ یہ مرکز نشر میراث مکتوب، تہران کے سہ ماہی رسالہ آئینۂ میراث کے تیسرے ضمیمہ کے طور پر شائع ہوا ہے۔ (تہران، ۱۳۸۴ش/ ۲۰۰۵ء)

حزین پر ڈاکٹر محمد رضا شفیعی کدکنی کی کتاب شاعری در ہجوم منتقدان (نشر آگہ، تہران

۱۳۷۵ش/۱۹۹۶ء) میں سراج الدین علی خان آرزو کی تنبیہ الغافلین (ڈاکٹر محمد اکرم ایڈیشن، لاہور، ۱۴۰۱ھ) امام بخش صہبائی کے رسالہ قول فیصل (نول کشور ایڈیشن) کا متن بھی آ گیا ہے۔

فرہنگیں: سیال کوٹی مل وارستہ کی مصطلحات الشعرا کے دو ایرانی ایڈیشن نکلے ہیں، پہلا ایڈیشن ہندوستانی چھاپہ ۱۳۰۵ھ کا عکس ہے (انتشارات موسسہ پژوہش ہاے فرہنگی، تہران، ۱۳۶۴ش/ ۱۹۸۵ء) اور دوسرا ایڈیشن ٹایپ پر ہے اور اسے ڈاکٹر سیروس شمیسا نے دو ہندوستانی چھاپوں ۱۲۷۰ھ اور ۱۳۰۵ھ اور مدرسۂ عالیہ ڈھاکہ کے مخطوطہ سے تیار کیا ہے۔ (انتشارات فردوس، تہران، ۱۳۸۰ش/۲۰۰۱ء)

لالہ ٹیک چند بہار کی بہار عجم کی جدید اشاعت دہلی ایڈیشن ۱۲۷۴ھ کی بنیاد پر اور چار متاخر قلمی نسخوں سے مقابلے کے بعد تین جلدوں میں ہوئی ہے۔ (بہ تصحیح دکتر کاظم دزفولیان، انتشارات طلایہ، تہران، ۱۳۸۰ش/۲۰۰۱ء)

شاہ حسین حقیقت کی خزینۃ الامثال کے ہندوستانی ایڈیشن کو احمد مجاہد نے ٹائپ کروا کر شائع کرایا ہے۔ (انتشارات دانش گاہ تہران، ۲۰۰۳ء)

سراج الدین علی خان آرزو کی سراج اللغہ پر ڈاکٹر ریحانہ خاتون (شعبہ فارسی دہلی یونیورسٹی) نے کام کیا ہے۔ یہ ضخیم اور اہم تنقیدی لغت انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران کے زیر اہتمام شائع ہونا قرار پائی ہے۔

تاریخ: رشید الدین فضل اللہ ہمدانی (م ۷۱۸ھ) کی جامع التواریخ کا وہ حصہ جو تاریخ ہند و سندھ و کشمیر سے متعلق ہے، بہ تصحیح و تحشیہ محمد روشن چھپا ہے۔ (مرکز نشر میراث مکتوب، تہران، ۱۳۸۴ش/۲۰۰۵ء)۔ مرتب محمد روشن نے اس کی تصحیح میں جامع التواریخ کے عربی ترجمہ "تاریخ الہند والسند" سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ مصنف کے حین حیات ۷۱۴ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا تھا۔ یہ تاریخ، برصغیر کا قدیم جغرافیہ اور آداب و رسوم سمجھنے کے لیے بھی مفید ہے، اگرچہ اس کا بیشتر حصہ ابوریحان البیرونی کی تحقیق ماللھند سے ماخوذ ہے۔

۸۴۵ تا ۸۴۸ھ شاہ رخ تیموری کی سفارت پر ہندوستان آنے والے ایک مورخ کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی کی تصنیف مطلع سعدین و مجمع بحرین، جو ایران اور بالخصوص تیموری عہد کے

واقعات از ۷۰۴ تا ۸۷۵ھ کی تاریخ ہے اور اس میں مصنف کے سفر ہندوستان کی روداد بھی تفصیل سے درج ہوئی ہے۔اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ انقلاب ایران سے پہلے شائع ہو چکا ہے (بہ تصحیح عبدالحسین نوائی، انتشارات طہوری، تہران، ۱۳۵۳ش/ ۱۹۷۴ء، تجدید اشاعت: مؤسسہ مطالعات وتحقیقات فرہنگی (پژوہش گاہ)، تہران، ۱۳۷۰ش/ ۱۹۹۱ء) اب اسی مرتب نے اس کی جلد اول کا دوسرا حصہ اور دوسری جلد کے دو حصے شائع بھی شائع کیے ہیں (پژوہش گاہ علوم انسانی ومطالعات فرہنگی، تہران ۱۳۸۳ش/ ۲۰۰۴ء)، جلد دوم کا تیسرا حصہ غالباً زیر طبع ہے۔اس کتاب کا اس لیے یہاں ذکر کیا جارہا ہے کہ پاکستان کے نامور محقق پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اسی کتاب کی جلد دوم تین حصوں میں نہایت عالمانہ انداز میں مرتب کرکے شائع کی تھی (مطبوعہ گیلانی الیکٹرک پریس، لاہور، ۴۹-۱۹۴۶ء)۔ایرانی مرتب نے اسی اشاعت کو از سر نو ٹائپ کروا کر اپنے نام سے شائع کروا لیا ہے۔یہ ایرانی مرتب، جلد دوم، حصہ اول کے مقدمہ میں لکھتا ہے: ''قصد داشتم کہ جلد دوم را ہمان طور کہ پروفیسر محمد شفیع چاپ کردہ بہ اسم او وباذکر خیر او چاپ کنم'' (یعنی میرا ارادہ تھا کہ دوسری جلد کو جیسا کہ پروفیسر محمد شفیع نے شائع کیا ہے، اسی طرح انہی کے نام کے ساتھ اوران کے ذکر خیر کے ساتھ شائع کروں) لیکن معلوم نہیں ایرانی مرتب کو کیا امر مانع تھا کہ سرورق پر مولوی محمد شفیع کا نام نہیں دیا اور اپنا نام کے ساتھ ''بہ اہتمام'' لکھ دیا ہے۔تعلیقات اور تشریحات کے معاملے میں بھی ایرانی مرتب کو اعتراف ہے کہ مولوی محمد شفیع نے جو کچھ لکھا تھا، اس نے بلا کم وکاست شامل کرلیا ہے اور ''ہرگز از خود چیزی بر آن نیف زودم'' (اپنی طرف سے میں نے کچھ بھی اضافہ نہیں کیا)، اس کے باوجود، مطلع سعدین کی جلد دوم ''بہ اہتمام دکتر عبدالحسین نوائی'' شائع ہوئی ہے۔پاکستانی مصنّفین کی کاوشوں کو ایرانیوں کا اپنے نام سے ایران میں شائع کرنے کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، اس سے پہلے حافظ نذر احمد اور مخدوم صابری کی مشترکہ تصنیف فرہنگ عصریہ (مطبوعہ شبلی اکیڈمی، لاہور) کو ڈاکٹر شہین دخت کامران مقدم اپنے نام سے شائع کر چکی ہیں اور ڈاکٹر شہریار نقوی کی فرہنگ اردو- فارسی (مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء) کو سید نصر اللہ سروش اپنے اور شہریار نقوی کے مشترکہ نام سے دانش گاہ اصفہان سے شائع کر چکے ہیں۔میں اپنے ایک مضمون ''ایران میں اردو'' مشمولہ ''بیرونی ممالک میں اردو'' مرتبہ انعام الحق جاوید، (مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء،

ص ۱۶۸-۱۶۹) میں اس کی تفصیل لکھ چکا ہوں۔

ممتاز مورخ غیاث الدین بن ہمام الدین "خواندمیر" صاحب حبیب السیر ۹۳۴ھ میں ہرات سے آگرہ آیا اور ظہیر الدین بابر اور نصیر الدین ہمایوں کی ملازمت میں رہا تھا۔اس نے ۹۴۱ھ میں مندو میں وفات پائی اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے جوار میں دہلی میں دفن ہوا۔اس نے ہمایوں کی ایجادات اور آداب حکمرانی پر ایک کتاب قانون ہمایونی لکھی تھی اور یہ ۱۳۵۹ھ میں کلکتہ سے شائع ہوچکی ہے۔اسی اشاعت کی بنیاد پر یہ اہم متن،ایران سے خواندمیر کی ایک اور تصنیف ماثر الملوک کے ضمیمہ کے طور پر شائع ہو چکا ہے۔(بہ تصحیح میر ہاشم محدث،موسسہ خدمات فرہنگی رسا،تہران، ۱۳۷۲ش/۱۹۹۳ء)

ہمایوں کی بہن گلبدن بانو کا ایک رسالہ گلبدن نامہ کے نام سے مشہور ہے۔ایرج افشار نے اسی ہمایون نامہ نام سے،بنیاد موقوفات محمود افشار،تہران، ۱۳۸۳ش/۲۰۰۴ءسے شایع کیا ہے۔

میرزا محمد حیدر دوغلات کی تاریخ رشیدی (بہ تصحیح عباس قلی غفاری فرد،مرکز نشر میراث مکتوب، تہران، ۱۳۸۳ش/۲۰۰۴ء) ہمارے لیے اہم ہے،اس کا مصنف ۹۴۷ھ میں کشمیر کا حاکم تھا اور وہیں ۹۵۷ھ میں قتل ہوا۔یہ ایڈیشن انگلستان میں موجود کسی قلمی نسخے کے عکس کی بنیاد پر مرتب ہوا ہے۔کتاب کے مرتب،تاریخ رشیدی کے هارورڈ یونی ورسٹی ایڈیشن،۱۹۹۶ء سے بے خبر ہیں۔

اکبر کے دور کی کئی اہم تاریخیں ایران سے شائع ہوئی ہیں:

شیخ ابوالفضل کے اکبر نامہ کی پہلی جلد جو اکبر کے آباء واجداد کی تاریخ پر مشتمل ہے،شائع ہوئی ہے (بہ کوشش غلام رضا طباطبائی مجد،موسسہ مطالعات وتحقیقات فرہنگی،تہران۔ ۱۳۷۲ش/۱۹۹۳ء)۔اس ایڈیشن کی بنیاد وہی کلکتہ ایڈیشن ہے۔اگرچہ ایرانی مرتب نے اپنے دیباچہ میں یہ لکھا ہے کہ اس نے دو قلمی نسخوں سے بھی مقابلہ کیا ہے لیکن ان نسخوں کی کچھ تفصیل نہیں دی،اسی ایرانی مرتب نے اکبری دور کی ایک اور اہم تصنیف تاریخ الفی بھی سات جلدوں میں مکمل شائع کی ہے (انتشارات امیر کبیر، ۲۰۰۳ء)۔ایران میں شائع ہونے والے برصغیر کے فارسی متون میں ضخامت کے اعتبار سے یہ سب سے بڑا متن ہے لیکن اس ایڈیشن میں مرتب نے کوئی اشاریہ شامل نہیں کیا جس سے کتاب سے استفادہ کرنا محدود ہوگیا ہے۔اس سے پہلے تاریخ الفی کا ایک حصہ جو ۸۵۰ سے

۹۸۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے اور ایران اور ہمسایہ ممالک سے متعلق ہے، چھپ چکا تھا۔ (بہ کوشش سید علی آل داود، انتشارات فکر روز، انتشارات کلبہ، تہران، ۱۳۷۸ ش/ ۱۹۹۹ء)

ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ کی دو اشاعتیں ہوئی ہیں اور دونوں کلکتہ ایڈیشن پر مبنی ہیں۔ ایک اشاعت تین جلدوں میں مکمل ہے۔ (انتشارات انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران) دوسری ایک جلد صرف مشائخ، علما، اطبا اور شعرا کے حالات پر مشتمل ہے۔ (با مقدمہ و اضافات توفیق سبحانی، انتشارات انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۷۹ ش/ ۲۰۰۰ء)

عبدالباقی نہاوندی کی تصنیف مآثر رحیمی کی تیسری جلد کا دوسرا حصہ، جو تراجم شعرا پر مشتمل ہے، کلکتہ ایڈیشن کی بنیاد پر جداگانہ ایک جلد میں چھپا ہے۔ (بہ اہتمام عبدالحسین نوائی، انتشارات انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۸۱ ش/ ۲۰۰۲ء) مرتب نے تعلیقات کا اہتمام کیا ہے۔ لیکن کتاب اشاریے کے بغیر ہے!

تہران میں کچھ ناشروں نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ یا دیگر اداروں کی ٹائپ پر چھپی تاریخی کتابوں کی عکسی اشاعت کا اہتمام بھی کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں میری اطلاع کے مطابق انتشارات اساطیر نے سیف بن محمد بن یعقوب ہروی کا تاریخ نامۂ ہرات (محمد زبیر صدیقی ایڈیشن کلکتہ)، بایزید بیات کا تذکرۂ ہمایون و اکبر، (مولوی ہدایت حسین ایڈیشن، کلکتہ، ۱۹۴۱ء) اور میر معصوم بھکری کی تاریخ سندھ معروف بہ تاریخ معصومی (داؤد پوتہ ایڈیشن، پونہ ۱۹۳۸ء) شائع کی ہیں۔

علماء کے تذکرے: نجوم السماء فی تراجم العلماء: تالیف محمد علی آزاد کشمیری، بہ تصحیح میر ہاشم محدث، شرکت چاپ ونشر بین الملل، تہران ۱۳۸۲ ش/ ۲۰۰۳ء۔ شیعہ علما کا تذکرہ ہے۔ یہ اشاعت کتاب کے لکھنؤ ایڈیشن ۱۳۰۲ھ پر مبنی ہے۔

پاکستان میں شایع ہونے والے شیعہ علما کے دو اردو تذکروں کے فارسی تراجم بھی شائع ہوئے ہیں۔ سید مرتضی حسین صدر الافاضل کا تذکرہ مطلع انوار اور سید حسین عارف نقوی کا تذکرۂ علمائے امامیہ پاکستان۔ دونوں کے مترجم محمد ہاشم ہیں، ناشر بنیاد پژوہش ہای اسلامی، مشہد ہے۔ مترجم اصلاً مشرقی پاکستان کے دور میں ایران گئے تھے اور وہیں رہ گئے ہیں۔

تصوف: فوائد الفواد، ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیا، مرتب امیر حسن علا سجزی، بہ تصحیح محمد لطیف

ملک، بہ کوشش دکتر محسن کیانی، (میرا)، انتشارات روزانہ، تہران، ۱۳۷۷ش / ۱۹۹۸ء۔ لاہور ایڈیشن ۱۹۶۶ء پر مبنی ہے۔ ایک ایڈیشن بہ تصحیح توفیق ہ۔ سبحانی، انتشارات عرفان، تہران، ۱۳۹۰ش / ۲۰۱۱ء بھی ہے۔

صوفیہ کے تذکرے: ثمرات القدس من شجرات القدس تالیف میرزا لعل بیگ لعلی بدخشی، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات دکتر سید کمال حاج سید جوادی، انتشارات پژوہش گاہ علوم انسانی و مطالعات فرہنگی، تہران، ۱۳۷۶ش / ۱۹۹۶ء، اس تذکرے کی خصوصیت یہ ہے کہ صرف برصغیر کے صوفیہ کے حالات پر مبنی ہے۔ اس کی اشاعت میں پاکستان کے دو قلمی نسخوں (قومی عجائب گھر پاکستان، کراچی؛ مولانا نصرت نوشاہی، شرق پور) سے استفادہ کیا گیا ہے۔ خود کتاب میں مصنف کے ذاتی حالات پر بے شمار اشارات موجود ہیں لیکن مرتب تذکرہ نے ان سے قطعاً کوئی اعتنا نہیں کیا اور مصنف کے حالات کی جستجو کیے بغیر مقدمہ لکھ دیا ہے۔ آخر میں تعلیقات موجود ہیں۔

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار تالیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی، تصحیح علیم اشرف خان، انتشارات انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۸۴ش / ۲۰۰۵ء، کتاب کے مرتب دہلی یونی ورسٹی میں شعبۂ فارسی میں استاد ہیں اور یہ ان کا پی ایچ ڈی کا تھیسز ہے۔

متفرق موضوعات: مضمار دانش از حکیم الملک نظام الدین احمد گیلانی، بہ تصحیح نادر حائری، بہ مقدمہ عارف نوشاہی، مرکز نشر دانش گاہی، تہران، ۱۹۹۶ء، کتاب کا مصنف فاضل ایرانی طبیب ہے جو کئی سال قطب شاہی گلکنڈہ دربار میں ملازم رہا اور عبداللہ قطب شاہ نے اسے ۱۶۴۰ء میں ایک سفارتی مشن پر اصفہان بھیجا تھا۔ اس طبیب کا مزار گلکنڈہ میں واقع ہے۔ مضمار دانش گھوڑوں کی اقسام اور ان کی بیماریوں کے علاج پر مفید کتاب ہے۔

تحفۃ المحبین تصنیف یعقوب بن حسن سراج شیرازی، بہ اشراف محمد تقی دانش پژوہ، بہ کوشش کرامت حسینی و ایرج افشار، نشر نقطہ، تہران، ۱۳۷۶ش، اصول خطاطی اور خوش نویسی کے کچھ روحانی پہلوؤں کے بیان پر نہایت اہم کتاب ہے۔ اس کا ایرانی مصنف ہندوستان آیا تھا اور یہ کتاب ۸۵۸ھ میں محمد آباد، بیدر میں تصنیف ہوئی۔

ایران میں برصغیر کے جو متون شائع ہو رہے ہیں ان پر ہمارے کچھ تحفظات اور ملاحظات

بھی ہیں۔ ۱۹۷۸ء کے بعد جو کام ہوا ہے، چند ایک کو چھوڑ کر باقی محض تجدید طباعت و اشاعت نوعیت کے ہیں، تجدید تحقیق نہیں ہے۔ یعنی برّ صغیر کے سنگی چھاپوں کو اٹھا کر انہیں ٹایپ میں ڈھال کر کسی نے اپنا نام ''مصحح'' یا ''مہتمم'' کے طور پر جلد پر لکھ دیا۔ لیکن تصحیح یا اہتمام کا حق ادا نہیں کیا۔ پروفیسر مولوی محمد شفیع کی مرتب مطلع سعدین کو عبدالحسین نوائی کا اپنے نام سے شائع کرنے کی مثال پہلے گذر چکی ہے۔ دوسرا یہ کہ ایرانی ''مصححین'' یا ''اہتمام کنندگان'' نے برصغیر کے اعلام سے ناواقفی سے بنا پر اپنی طباعتوں میں اس سلسلے میں ہمیشہ غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ تیسرا یہ کہ بعض ایرانی مرتبین نے قومی تعصب کی بنا پر برصغیر کی تصانیف کو ایرانی تصانیف کے طور پر پیش کیا ہے، جیسے وارستہ کی مصطلحات الشعرا کے سرورق پر یہ عبارت چھاپی گئی ہے: ''فرہنگی در لغات و اصطلاحات شعر در عصر صفوی''، یہ ایسے ہی ہے کہ ہمارے ہاں دیوان حافظ چھپے اور اس کے ورق پر ناشر یہ عبارت چھاپ دے۔ بہمنی دور کے نامور شاعر کا مجموعہ کلام۔ مآثر رحیمی کی اشاعت کے مہتمم ڈاکٹر عبدالحسین نوایی (وفات ۲۰۰۴ء) نے بھی اس کتاب کے دیباچہ میں اسے ''در زمینۂ ادبیات صفوی'' کہہ کر کے پیش کیا ہے۔ میر ہاشم محدث نے تذکرۂ نجوم السماء کے دیباچہ میں باوجود اس کے کہ یہ کتاب ہندوستان میں لکھی گئی، اسے قاجاری دور کی تصنیف شمار کیا ہے۔

برصغیر کے ذخائر مخطوطات سے اعتنا: برصغیر کے ذخائر مخطوطات سے اعتنا کئی طرح سے دیکھا گیا ہے۔ جیسے یہاں کے مخطوطات کو بنیاد بنا کر متون کی اشاعت یا اس اشاعت میں تقابل کے لیے یہاں کے مخطوطات سے مدد لینا، یہاں کے مخطوطات کی عکسی اشاعت کرنا وغیرہ۔ اس سلسلے میں دو جداگانہ نوعیت کے کاموں کا ذکر بھی ضروری ہے اور وہ یہاں کی مخطوطات کی فہرستوں کی اشاعت اور اہم مخطوطات کی مائیکروفلم تیار کرنا ہے۔ دہلی میں قائم ایرانی ادارہ مرکز میکروفیلم نور اس سلسلہ میں بہت فعال کردار ادا کر رہا ہے اور اس نے اب تک وہاں کئی نجی اور سرکاری کتب خانوں کے مخطوطات کی مائکروفلمیں بنائی ہیں اور اپنے ہاں جمع شدہ مائکروفلموں کے ذخیرے کی فہرستیں شائع کی ہیں، اس میں مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، احمد آباد گجرات کے چار کتب خانوں اور حکیم ظل الرحمان، علی گڑھ کے کتب خانوں کی مائکروفلمیں (فہرستیں) شامل ہیں۔ راقم کا ایک ادارہ احیاء تراث اسلامی بھی پاکستان کے اہم مخطوطات کی مائیکروفلمیں بنا چکا ہے اور اپنے ہاں سے شائع

ہونے والی فہرستوں میں ان کا اندراج کر چکا ہے۔ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے ذخیرۂ مخطوطات کی فہرست مرتب ڈاکٹر خضر نوشاہی چھپ چکی ہے (موسسہ نشر فہرستگان، تہران، ۲۰۰۴ء)، ڈاکٹر خضر نوشاہی کی مرتبہ ''فہرست دست نویس ہای فارسی در کتاب خانۂ مسعود جھندیر، میلسی (پاکستان)'' (مسعود احمد جھنڈیر لائبریری، میلسی کے فارسی مخطوطات کی فہرست) کتاب خانہ، موزہ و مرکز اسناد کتاب خانۂ مجلس شوری اسلامی کے مجلہ ''نسخہ پژوہی'' کے دفتر دوم، تہران، ۱۳۸۴ش/ ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

وضاحت: اس مضمون میں سنین کے سلسلے میں جہاں جہاں ہجری شمسی (ش) تاریخیں درج ہوئی ہیں، انہیں معتبر سمجھا جائے۔ان کی مطابقت کے لیے عیسوی سنین محض تقریبی ہیں جو اصل سال سے آگے پیچھے ہو سکتے ہیں۔

یہ جائزہ جیسا کہ پہلے لکھا جا ہے ۱۹۷۸ اور ۲۰۰۵ء کے درمیانی عرصے کی اشاعتی سرگرمیوں پر محیط ہے لیکن ضمنی طور پر اس میں ناگزیر تھا کہ ۲۰۰۵ء کے بعد کے ایڈیشنوں کا ذکر بھی کر دیا جائے۔ ۲۰۰۵ء کے بعد اب (۲۰۱۶ء) تک ایران سے مزید متعدد کتابیں انہیں موضوعات پر شایع ہوئی ہیں جن کا ذکر ہمارے اس مضمون میں ہوا ہے۔میری کوشش ہوگی ان کا جائزہ آیندہ کسی مضمون میں قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

برق اعظمی۔ شخصیت اور فن

افروز جہاں

رحمت الٰہی برق اعظمی (۱۹۰۵ء۔۱۹۸۳ء) نے اپنے بارے میں کہا تھا کہ ؎

نا آشنائے حال ہے، بے چارہ کیا لکھے
ساکت قلم ہے میرے سوانح نگار کا

فکر سخن کے وقت اپنی حیات اور فن کے تعلق سے شاعر کے جو بھی تاثرات رہے ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اعظم گڑھ کے دوسرے بہت سے شاعروں کی طرح ان کے بھی حالات اور فکری و فنی کمالات پر گمنامی کا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے ورنہ برق اعظمی ایسے با کمال شاعر تھے۔ جن کی ہم سری کا دعویٰ آسان نہیں۔

خاندانی روایتوں کے مطابق برق اعظمی کا خاندان کبھی دہلی میں آباد تھا۔ آبا و اجداد اسلحہ سازی کے کاروبار سے منسلک تھے اور مغلیہ دور میں مورث اعلیٰ اسلحہ خانہ کے داروغہ تھے۔ مغل حکومت کے زوال کے بعد یہ لوگ موضع نامدار پور ضلع اعظم گڑھ آ گئے۔ خاندان کی ایک شاخ محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڑھ میں منتقل ہوئی اب یہ بستی ضلع مئو میں ہے۔

برق اعظمی کے والد منشی رحمت اللہ بن محمد روزن کل چھ بھائی تھے۔ رحمت اللہ بہ عہدۂ پٹواری تحصیل نظام آباد ضلع اعظم گڑھ میں ملازم اور نظام آباد کی ایک چھوٹی سی نواحی بستی موغ دیوریا حلقہ برسڑا ائمہ میں قیام کرتے تھے۔

برق اعظمی کے سال ولادت و جائے پیدائش میں اختلاف ہے۔ ان کے تمام سوانح نگاروں نے ان کا سن پیدائش ۱۹۱۱ء بتایا ہے اور مقام ولادت محلہ باز بہادر اعظم گڑھ کو قرار دیا ہے۔ دراصل

ریسرچ اسکالر شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج، اعظم گڑھ۔

یکم ستمبر ۱۹۱۱ء کی پیدائش ازروئے سند ہے جبکہ برق صاحب نے قمر الزماں مبارک پوری کو ایک ملاقات میں ان کے سوال کے جواب میں اپنا سن ولادت ۱۹۰۵ء بتایا تھا اور یہ کہ وہ موضع دیور یا حلقہ برسڑا ائمہ تحصیل نظام آباد ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد کی رہائش گاہ تھی۔ برق نے ابتدائی تعلیم والدہ سے حاصل کی پھر رواج کے مطابق انہوں نے اردو، فارسی، ہندی، ریاضی اور معمولی انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔لیکن برق وہ اردو فارسی میں ہوئے۔

ان کے والد کی وفات ۱۷/اپریل ۱۹۳۵ء کو ہوئی۔ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ برق صاحب کا تقرر بہ عہدۂ پٹواری نظام آباد تحصیل میں ہوا۔ برق کو ابتدائے شعور ہی سے شاعری سے تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ان کے زمانے کا اعظم گڑھ اور نظام آباد بھی شاعری کے غلغلوں سے گونج رہا تھا۔ یہاں تک کہ اعظم گڑھ کے دیہات بھی شاعری کے اچھے نمونے پیش کررہے تھے۔ ایسے شاعرانہ ماحول میں شعروسخن سے فطری مناسبت رکھنے والا انسان ظاہر ہے شعرگوئی سے دور نہیں رہ سکتا۔

انہوں نے سالک رام سالک گرواری بلیاوی (۱۸۶۱ء/ ۱۹۳۴ء) جانشین شمشاد لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ان کے علاوہ اعظم گڑھ میں تہور حسین خنداں اور منیف اعظمی بھی سالک کے دامن اصلاح سے وابستہ تھے۔ برق نے اپنے استاد سے علم عروض وقوافی اور شاعری کے مبادی واصول سے واقفیت حاصل کی۔ استاد کی وفات کے بعد انہوں نے نوح ناروی (۱۸/ستمبر ۱۸۷۹ء/ ۱۰/اکتوبر ۱۹۶۲ء) جانشین داغ دہلوی سے اکتساب ہنر کیا۔ان سے بذریعہ ڈاک اصلاح کا سلسلہ جاری رہا۔ان دونوں استادان سخن کے توسط سے برق کا سلسلہ دبستان دہلی کے اہم شاعر استاذ ذوق دہلوی اور دبستان لکھنؤ کے اہم ترجمان ناسخ لکھنوی تک پہنچتا ہے۔اسی لیے کلام برق میں ان دونوں دبستانوں کا رنگ نمایاں ہے۔نوح سے اصلاح لینے کی وجہ سے زبان دانی اور مہارت فن کی دولت ان کے ہاتھ آئی۔

ان دونوں استادوں کی اصلاح کا اثر دور تلمذ کی شاعری سے دیکھا جاسکتا ہے کہ سالک سے وابستگی کے دور میں برق کے کلام میں حسن وعشق کے بیان اور معاملات ومشاہدات میں وہ گرمی نہیں ہے جو انفرادیت سے عبارت ہوتی ہے۔نوح کے سلسلۂ اصلاح کے بعد برق کے یہاں جو نیا دور آیا اس میں لہجے کی شائستگی، رعنائی، سادگی، صفائی، سلاست، روانی، برجستگی، رنگینی، چاشنی، بلندی خیال اور مضمون آفرینی اور سہل ممتنع کی شان کو نمایاں صورت میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔انداز بیان میں تلوار کی

کاٹ کا ہنر نوح کی شاگردی کے بعد ہی برق میں پیدا ہوا۔ اسلوب کے ساتھ انھوں نے موضوعات و خیالات میں بھی نوح کے خرمن شاعری سے خوشہ چینی میں کوئی کمی نہیں رکھی۔ یہاں استاد و شاگرد دونوں کے ایک ایک شعر سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی جارہی ہے ۔

وضع داری بھی ہے کوئی چیز اے پیر مغاں
آ گئے تو آ گئے اب جائیں مے خانے سے کیا؟ (نوح)

جو آ ہی گئے ہیں تو کیا بے تواضع
یوں ہی مے کدے سے چلے جایئے گا؟ (برق)

برق نے چار دیوان مرتب کیے تھے۔ ابتدائی دو دیوان دوران ملازمت چوری ہو گئے۔ یہ دونوں دواوین ۱۹۵۴ء تک کی شعری کاوشوں پر مشتمل تھے۔ ایم ایم زبیری نے لکھا ہے کہ:

''بدقسمتی سے آپ کا ۱۹۵۴ء تک کا مجموعۂ کلام جو تین دواوین پر مشتمل تھا جس میں قصائد، نظمیں اور غزلیات تھیں دوران ملازمت میں افسوس ہے کہ چوری ہو گیا ۱۹۵۴ء سے اب تک کا کلام دو دواوین کی شکل میں موجود ہے''۔(۱)

برق نے چار دیوان مرتب کرنے کا تذکرہ اپنے ایک مقطع میں یوں کیا ہے:

چار دیوان میں نے مرتب کیے، دو تو چوری ہو گئے، دو ہیں باقی بچے
برق چھپ جائیں یہ بھی مرے سامنے اس کے امکان کا کوئی بھروسہ نہیں

واقعی صورت حال کا برق نے جو اندازہ کیا تھا وہ درست ثابت ہوا اور ان کی زندگی میں ان کا کوئی مجموعہ طبع نہیں ہو سکا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے قدیم و جدید کلام پر مشتمل ایک انتخاب ''تنویر سخن'' کے نام سے مارچ ۲۰۰۳ء میں شائع کر دیا ہے۔ اسی موقع کے لیے برق نے کہا تھا:

قدر مردم بعد مردم سچ ہے یہ ضرب المثل
سو گیا جب میں تو جاگا نوحہ خوان زندگی

برق مسلسل شعر کہتے تھے لیکن وہ اشاعت کے لیے کلام کہیں نہیں بھیجتے تھے۔ ایک گوشے میں بیٹھے خود کچھ لکھتے پڑھتے رہتے تھے یا آنے والوں کو فائدہ پہنچایا کرتے تھے۔ ان کی بیٹھک کبھی

خالی نہیں دیکھی گئی۔(۲)

ان کے کلام کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے عروض کی باریکیوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ان کے کلام میں بے پناہ غنائیت،موسیقیت اور سلاست وروانی ہے۔کہیں سکتہ کا نام نہیں۔صوتی لحن بڑا ہموار اور بے گرہ ہے مثالاً چند شعر حاضر ہیں:

تلخیٔ غم کا جو ہے مکمل جواب لا / یعنی شراب لا مرے ساقی شراب لا

رویا نہ میں خدا کی قسم غم سے چارہ گر / آنسو نکل پڑے تجھے غم خوار دیکھ کر

لدا ہے بار آلام و مصائب / ہماری کشتیٔ عمر رواں پر

سمجھتا کیا ہے تو اے رخش رواں / ہمارا ہاتھ ہے تیری عناں پر

خیر تو ہے ، کیسا ہے مزاج؟ / چہرہ کیوں ہے آج اداس؟

جھک کے چلتے ہیں ضعیفی میں یہ کیوں سب لوگ کیا؟ / مل گئی مٹی میں جو ہے اس جوانی کی تلاش

چل دیے اعزہ سب دفن کرکے مٹی میں / عمر بھر کی الفت کا ہم نے یہ صلہ پایا

ان کی شاعری کے تعلق سے خود ان کے خیالات اور نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

تعالی اللہ یہ رنگ تغزل / لطافت ہے ، ادب ہے ، سادگی ہے

اجالا دیکھ کر بزم ادب میں / وہ بولے برق کی یہ روشنی ہے

روشنی اس سے کیجیے حاصل / برق روشن گر زمانہ ہے

مشاعرے سے اٹھے جب تو اہل فن نے کہا / کہ برق زلف عروس ادب سنوار چلے

مثال شمس تھے ہم بھی کہ جب غروب ہوئے / تو بے شمار ستاروں کو جگمگا کے چلے

جناب برق تھے وہ بادشاہ ملک سخن / جو علم شعر کا سکہ یہاں چلا کے چلے

ادیبوں کا مقولہ ہے کلام برق کی بابت / سنے جو گوش دل سے محرم اسرار ہوجائے

نہ ہو جو روح سخن وہ سخن وری کیا ہے / پرکھ سکے جو نہ جوہر وہ جوہری کیا ہے

ساقی نے کردیا ہے اے برق سب کو بے خود / بھر کر مرے سخن میں کیف وسرور بادہ

کہہ دیا برق کو جو کہنا تھا / سن کے اب سر دھنا کرے کوئی

برق اعظمی قادر الکلام، کہنہ مشق اور استاد شاعر تھے۔ دور قدیم کے اساتذۂ سخن اور ارباب فن جن روایتوں اور شعری وفنی کمالات کے امین تھے، یہ ساری خصوصیات ان کی شاعری میں ملتی ہیں۔ اصول وضوابط اور آداب وشرائط کا احترام والتزام ان کے یہاں پوری شعری جاذبیت کے ساتھ موجود ہے۔ انہوں نے موضوع اور ہیئت کے تجربے بھی کیے۔ مضمون ومواد کے اعتبار سے انہوں نے شاعری کے جو نمونے پیش کیے وہ کیفیت وکمیت دونوں کے اعتبار سے لائق داد ہیں۔ اسی طرح ہیئت کے اعتبار سے ان کی جو کاوشیں سامنے آئیں، وہ بھی اساتذۂ قدیم کی روایات سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔

مثنوی، غزل، نظم، قصیدہ، حمد، نعت، منقبت، سلام، سہرا، رخصتی، منظوم مکتوب، الوداعیہ، استقبالیہ، چادر، گاگر، قوالی، خیال، گوہار، تہنیت نامہ، شکریہ نامہ، منظوم تقریظ، قطعات تاریخ، تضمین، قطعہ، رباعی، خمسہ، مسدس، مثلث، ذاتی معاملات، دفتری واقعات، طنزیہ ومزاحیہ اشعار، بچوں کے لیے نظمیں، غلاف تکیہ کے اشعار، منظوم ترجمہ، فردیات وغیرہ اصناف میں انہوں نے بہت کچھ کہا اور اتنا کچھ کہنے کے بعد بھی معیار وشرائط کو برقرار رکھا۔ ان کی شاعری رند و پارسا، مشائخ وعلماء، خانقاہ و مدرسہ، اساتذۂ سخن، رئیس ونواب، زمیندار ورعایا، اہل علم وکم فہم سب کی دلچسپی اور تسکین کا سامان اپنے دامن میں رکھتی ہے اور خود بخود نظیر اکبرآبادی کی یاد دلاتی ہے۔ ان کے مجموعہ کلام ''تنویر سخن'' پر تبصرہ کرنے والوں کے جو تبصرے ملک کے مختلف رسائل وجرائد میں اب تک شائع ہو چکے ہیں، ان میں برق کے فکروفن کی کھل کر داد دی گئی ہے۔ ڈاکٹر تابش مہدی لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت برق اعظمی نے شاعری کی جملہ اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور جس صنف میں بھی طبع آزمائی کی ہے دیکھنے اور سننے والے پر یہی تاثر قائم ہوا کہ وہ اسی میدان کے شہسوار ہیں''۔(۳)

دراصل برق نے اردو کی غزلیہ شاعری کا بڑا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور اپنی فکری کاوش میں قدیم وجدید شعری سرمائے سے خوب استفادہ کیا تھا۔ ان کے یہاں اساتذہ قدیم کا رنگ بھی ملتا ہے اور ان کے تغزل کی پیروی کا رجحان بھی ہے مگر یہ تقلید، تقلید محض نہیں ہے۔ انہوں نے مشاہیر کے تتبع میں بھی اپنے لہجے کا بانکپن اور اپنے خیال کا تفرد باقی رکھا۔ میر انیس کی ایک مشہور رباعی کا

آخری شعر ہے ؎

جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

برق نے انیس کے اس خیال کی پرچھائیں اپنے کئی اشعار میں پیش کی ہے لیکن انداز و اسلوب ان کا اپنا ہے۔صرف ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

ہے بہ ایں وجہ جوانی سے بڑھاپا اچھا دم کا ساتھی ہے یہ، وہ مرکے نہیں آنے کی

اس پر یہ تبصرہ ملاحظہ ہو:

''میر انیس نے جوانی اور بڑھاپے کے بارے میں ایک سیدھی سی حقیقت بیان کی مگر برق صاحب نے دلیل کے ساتھ بڑھاپے کو جوانی پر ترجیح دی''۔(۴)

ان کی غزلوں، نظموں، قصیدوں، منقبتوں، قطعات، حمد، نعت وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ موحد، شیدائے رسولؐ، بزرگان دین کے پیرو، محب اہل بیت اور صوفی مشرب تھے۔تنویر سخن کے آغاز میں ''عرض حال'' کے عنوان سے ان کی غزل ہے جس سے ان کے نظریہ شاعری، ان کے اسلوب سخن، زندگی اور زندگی کی حقیقت کے بارے میں ان کے خیالات و تصورات سے ہمیں آگاہی ہوتی ہے ؎

دل پہ گزری ہے جو، طاقت نہیں سمجھانے کی خواب گونگے کا ہے، سرخی مرے افسانے کی
پردے پردے میں کیا ذکر محبت میں نے شمع کی بات نکالی ، کبھی پروانے کی
فیض ساقی سے ہے اب دل کا یہ عالم گویا روح اک جام میں کھنچ آئی ہے مے خانے کی
موت اے دوست ہے تحصیل سکون کامل زندگی مشق ہے، مرمر کے جیے جانے کی
مرغ دل غیر ضروری تو نہیں یہ لیکن دام تک تجھ کو نہ لے جائے ہوس دانے کی
تیرگی منبع انوار ہے اللہ اللہ واہ کیا بات ہے پتلی کے سیہ خانے کی
دیر و کعبہ کی ہے اے برقؔ حقیقت اتنی منزلیں ہیں یہ رہ عشق میں ستانے کی

آخری دور میں تصوف کی طرف ان کا رجحان بہت بڑھ گیا تھا۔

پردۂ راز سے آجاتے اگر وہ باہر یہ زیارت کدۂ دیر و حرم کیا ہوتا
مرے ساقی کے میخانے میں جو داخل نہیں ہوتا اسے جام شراب معرفت حاصل نہیں ہوتا
خرد راہ وفا میں دو قدم بھی چل نہیں سکتی جنون عشق جب تک رہبر کامل نہیں ہوتا
مئے الفت ازل کے روز پی تھی ابھی باقی خمار بے خودی ہے
نور و سایہ کو ملاتی ہے بس اک فرضی لکیر درحقیقت ان میں کوئی فاصلہ ہوتا نہیں

برق مال و متاع دنیا سے بیزار ہیں، ان کا دل حب دنیا، حب جاہ، حب مال کی آلائشوں سے پاک ہے۔ کیونکہ کائنات کی جس چیز کو بھی انہوں نے دیکھا اس نے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچ کر ان کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیا۔ اس حقیقت کو دیکھنے کے بعد انہیں یقین ہوگیا کہ ثبات اگر ہے تو بس ایک خدا کی ذات کو ہے، اسی لیے وہ فانی کی ہوس نہیں کرتے۔ زندگی ان کے نزدیک ناپائیدار ہے۔

کبھی یہ بات بھی سوچی ہے تم نے کہاں تم ہو ہر اک جا جب وہی ہے
تمام کون و مکاں برق ہے زوال پذیر بجز خدا کے کوئی ذات لازوال نہیں
رات بھر جیسے چاہے رو گا لے شمع کی بس حیات اتنی ہے
یہ دنیا چار دن کی چاندنی ہے دیکھ اے غافل ہوئے ناپید ہوکر کیسے کیسے نامور پیدا
جان بھی اسی کی ہے، مال بھی اسی کا ہے مستعار ہے ہر شئی مہنگی ہے، نہ سستی ہے
دامن توکل میں جب جگہ ملی دل کو فیض سے قناعت کے حرص کو ہوا پایا
پانی کا بلبلا ہے، ابھی ہے ابھی نہیں اس زندگی کا کوئی بھروسا نہ کیجیے
حادث ہیں جس قدر بھی سہارے جہاں کے ہیں اس کے سوا کسی پہ بھی تکیہ نہ کیجیے

روانی، برجستگی کے چند اشعار اور ہیں:

مرے گناہوں کی گنتی ہوئی تمام مگر کسی کے فضل و کرم کا شمار باقی ہے
کیا اعتبار جان کا، یہ جانتے ہوئے نازاں ہیں ان کو جان اگر کہہ دیا گیا
رویا گنہ پر میں تو فرشتوں نے یہ کہا ہم لکھ کے کیا کریں گے جو دھویا کرے کوئی
دل لگانا برا ہے، یہ مانا دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی
آئینہ دیکھ کر بولے کس شان سے میرا ثانی یہ کب دوسرا ہوگیا

کوئی نہیں ہے سیر ، گدا ہو کہ تاجور بھوکا ہے یہ غذا کا تو وہ اقتدار کا
تجھ کو سینے میں جگہ دی پھر بھی ان کا ہوگیا اے مرے دل تجھ سے بڑھ کر بے وفا کوئی نہیں
دل کے سوا پسند نہیں اب کوئی مکاں اس گھر میں رہتے وہ اس گھر کے ہوگئے

انہوں نے اپنی غزلوں میں مکالماتی طرز کو بھی بڑی خوب صورتی سے نباہا ہے۔صنعت مراجعہ میں انہوں نے بہت اچھے اشعار نکالے ہیں جن سے ان کی زبان دانی کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کی غزلوں کے چند شعر دیکھیے:

جب کہا آپ نے مار ڈالا ہمیں بولے ہاں مار ڈالا تو کیا ہوگیا
دل کے آنے کی تفصیل بتلاؤں کیا بس سمجھ لو کہ بے اختیار آ گیا
رکو رکو ابھی جلدی ہے کون جانے کی سنو سنو مرے درد فراق کی روداد

صنعت مراجعہ یعنی سوال و جواب میں انہوں نے پوری ایک غزل ہی کہہ ڈالی ہے۔اس کے چند شعر درج کیے جارہے ہیں:

میں نے کہا کہ آپ ہیں،اس نے کہا کہ جی نہیں میں نے کہا تو کون ہیں،اس نے کہا کوئی نہیں
میں نے کہا کہ آپ تو میری نظر میں شمع ہیں اس نے کہا کہ کچھ بھی ہیں،آپ سے لو لگی نہیں
میں نے کہا کہ غیر ہے صرف غرض کا آشنا اس نے کہا کہ خیر سے آپ تو مطلبی نہیں
میں نے کہا کہ مجھ سے ہے زاہد خشک بدگماں اس نے کہا کہ عشق کی اس کو ہوا لگی نہیں
میں نے کہا کہ بوالہوس رو رہا تھا کل اس نے کہا کہ اس سے کہہ عشق ہے دل لگی نہیں

کہنا چاہیے کہ برق کو اس فن میں اختصاص کا درجہ حاصل ہے۔

برق کی قدرت سخن قطعات تاریخ اور شعری صنعتوں سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔انہوں نے بے شمار قطعات تاریخ اور مختلف صنعتوں میں اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔انہوں نے صنعت واسع الشفتین میں اشعار کہے ہیں جن میں اوپر نیچے کے ہونٹ نہیں ملتے۔صنعت غیر منقوط،صنعت فوق النقاط،صنعت تحت النقاط کے علاوہ ایسا خیال بھی نظم کیا ہے جس کے ہر مصرع کے شروع و آخر میں میم استعمال ہوا ہے اور تمام مصرعے ۳۳، ۳۳ حروف پر مشتمل ہیں۔اس نعتیہ خیال کی سترہویں لائن میں جو ''ص'' آیا ہے اس سے اوپر یا نیچے جس طرف سے بھی پڑھا جائے صلوا علیہ وآلہ کا جملہ بن

جاتا ہے۔ پنج گنج کے عنوان سے مختلف صنعتوں میں ان کے پانچ قطعات ہیں۔ ان میں ایک ایسا نمونہ سخن بھی ہے جس کا ہر مصرع ۲۸ حرف کا ہے، ترتیب ایسی ہے کہ ہر مصرع کا پندرہواں حرف ملا کر نیچے سے اوپر کی طرف پڑھا جائے تو لفظ ''محمد'' برآمد ہوتا ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے یہاں صرف فوق النقاط اور تحت النقاط کی مثال پیش کی جارہی ہے:

تم مسلماں ہو تو سن لو قول احمد صاف صاف — غافل از ذکر خدا دل ہو تو وہ کس کام کا
لمحہ لمحہ لحظہ لحظہ رات دن ، شام و سحر — ذکر حق ہر دم کرو مانو اصول اسلام کا
سچ جو پوچھو ہے وہ بے حد کامیاب و بامراد — حب سرکار دو عالم سے جو دل معمور ہے
با ادب کو ہوگا حاصل آپ کا دیدار پاک — بے ادب سے کہہ دے کوئی یہ کہ دلی دور ہے

حواشی

(۱) اعظم گڑھ کے ایک غیر معروف استاد سخن حضرت رحمت الٰہی برق، ایم ایم زبیری مشمولہ میگزین، شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء۔ ۱۹۷۲ء، ص ۱۲۔ (۲) رحمت الٰہی برق اعظمی کی قادر الکلامی و برجستگی، ضیاء الدین اصلاحی، مشمولہ تنویر سخن، برق اعظمی، مرتب: ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی، مارچ ۲۰۰۳ء، ص ۱۱۔ (۳) نقد غزل، ڈاکٹر تابش مہدی، طبع اول ۲۰۰۵ء، ص ۳۷۔ (۴) اردو شاعری کا ایک ذخیرہ۔ تنویر سخن، سید غلام مہدی راز، مشمولہ اخبار مشرق، دہلی، ۱۵/جون ۲۰۰۳ء، ص ۴۔

بھوپال کا ایک یادگار سفر

عمیر الصدیق دریابادی ندوی

ہندوستان کے جغرافی جسم میں بھوپال کو دل کی حیثیت تو حاصل ہی ہے، امت وسط کی طرح یہ شہر بلد وسط بھی ہے۔ بھوپال کی معروف تاریخ اور خطوں یا ریاستوں کی طرح بہت قدیم نہیں، سرسبز پہاڑوں، وادیوں، جھیلوں اور جھرنوں کو اپنے دامن میں سمائے ہوئے یہ خطہ اس وقت واقعی گل زار ولالہ زار ہو گیا جب ڈھائی سو سال پہلے ایک افغانی حوصلہ مند دوست محمد خاں اور ان کے ساتھیوں کے وجود سے یہ زمین آشنا ہوئی۔ اسلام کا ابر کرم برسا تو نعمتیں الگ الگ رنگوں میں ظاہر ہوئیں۔ اب ان رنگوں کا حساب وشمار کون کرے۔ بھوپال والوں کو جن نعمتوں پر ناز ہے ان میں سب سے نمایاں وہ دو خانوادے ہیں جن کا تعلق براہ راست حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے ہے۔ بھوپال کی خانقاہ مجددیہ صرف حضرت مجدد صاحبؒ کے علم ومعارف کا مرکز نہیں بلکہ ان کی اولاد امجاد کا مولد وموطن بھی ہے۔ غالباً اسی نسبت سے رابطہ ادب اسلامی کی علاقائی شاخ مجلس ادب اسلامی نے ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام ''حضرت مجدد الف ثانی اور ان کی تعلیمات وخدمات'' کے عنوان سے دارالعلوم تاج المساجد کے کتب خانہ مولانا سید سلیمان ندوی میں کیا۔ مجلس ادب اسلامی کے فعال ذمہ داروں، ڈاکٹر محمد حسان خاں اور ڈاکٹر عارف جنید ندوی وغیرہ کی خوش نصیبی کہ ان کو سرپرستی حضرت شاہ سعید میاں مجددی صاحب سجادہ خانقاہ مجددیہ کی حاصل ہے۔ یہ مذاکرہ گرچہ محدود ومختصر تھا لیکن حضرت سعید میاں مجددی کی مبارک موجودگی سے اس کا نفع واثر خاصا نمایاں رہا، دین حنیف میں مداخلت کی مخالفت اور دین کو مسخ کرنے کے عمل کی مزاحمت یقیناً وہ خاص کار تجدید واصلاح ہے جس نے شیخ احمد سرہندی کو مقام مجددیت پر فائز کیا۔ اس کار تجدید میں رد روافض اور اصلاح تصوف کو بھی بڑی اہمیت حاصل رہی۔ موجودہ دور کے فتنوں کو سمجھنے اور ان کے رد وابطال بلکہ استیصال کے لیے

امت کو شیخ مجدد الف ثانی کی عزیمت کی ضرورت ہے۔اس مذاکرہ نے کچھ حد تک اس ضرورت کی اہمیت کی جانب توجہ دلائی۔اس کے لیے مجلس ادب اسلامی کے تمام کارکن مبارک باد کے مستحق ہیں۔

بھوپال سے اعظم گڑھ کا تعلق بھی نسبتوں کے احترام کی یاد دلاتا ہے۔سیرۃ النبیؐ،سلطان جہاں بیگم،علامہ شبلی،امین زبیری،مولانا سید سلیمان ندوی،مولانا محمد عمران خاں ندوی،بیگم ساجدہ سلطان مرحومہ وغیرہ نے اس ذکر کو جو لذت و رعنائی بخشی۔اب بھی اس کا اثر بھوپال کی ان فضاؤں میں دیکھا جاسکتا ہے جو کبھی سچے شاعر کے لیے خاموشی و دلسوزی و سرمستی کا سبب بنتی تھیں۔پرانے بھوپال کی گلیوں نے کیسے کیسے باکمال شاعر،ادیب،عالم،حکیم دیکھے،ایسی ہی ایک گلی سے پہلی بار گزر رہا تو مکتبہ عابدیہ نے دامن دل کو کھینچ کر کہہ دیا کہ جا ایں جا است۔یہ دارالمصنّفین کی نسبت تھی کہ مکتبہ عابدیہ کے جناب محمد خالد عابدی نے ایک عجیب عالم کی سیر کرادی۔اس سیر میں ان کے ساتھ بھوپال کی محبوب و محترم شخصیتیں تھیں،کوثر صدیقی،عارف عزیز،مختار شمیم،اقبال مسعود،ضیا فاروقی،پروفیسر محمد حسان،حکیم حسین محمد،مولانا شعیب کوٹی،مولانا نعمت اللہ ندوی اور کئی اور اہل علم جہاں کام و دہن کے لطف و لذت میں شریک و سہیم تھے،وہیں دارالمصنّفین کے ذکر اور اس کی فکر میں شامل رہے۔ذکر دارالمصنّفین دیر تک چلا اور فکر دارالمصنّفین بھی دور تک گئی۔معارف کی توسیع اشاعت کے لیے زندہ دلان بھوپال کے دل پھر دھڑکے،عہد و پیمان ہوئے،خدا کرے کہ یہ پورے بھی ہوں۔لیکن حاصل سیر تو جناب خالد عابدی کے اس سرمایہ کی دید تھی جو ان کی زندگی کا حاصل ہے۔خالد عبادی کو لوگ،ادیب،محقق،نقاد،افسانہ و ڈرامہ نگار کی حیثیت سے جانتے ہی نہیں،قدر بھی کرتے ہیں۔ابھی کچھ دنوں پہلے کے بھوپال میں جہاں اعلیٰ شاعروں،ادیبوں اور نقادوں کا ایک جہاں آباد تھا،وہاں وادی ادب کے نو واردوں کے لیے صلاحیتوں کی بنیاد پر اپنی شناخت قائم کرنا اتنا آسان نہیں تھا،لیکن خالد عبادی صاحب نے مسلسل جدو جہد سے علمی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ان کی کتابوں میں باغ فکر معروف بہ مقطعات نساخ کو وقعت کی نظر سے دیکھا گیا جس سے عبدالغفور نساخ کے کمالات علمی کا صحیح معنوں میں تعارف ہوا۔ان کی اور بھی کتابیں ہیں۔ان کے کاموں کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ حوصلہ مندوں نے ان کی زندگی کو ڈاکٹریٹ کا موضوع بنالیا،لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ بہترین کتابوں کا وہ ذخیرہ یا خزانہ ہے جس کو انہوں نے خدا جانے کیسی کیسی مشقتوں سے جمع کیا،ہزاروں کتابیں ہیں،بعض تو نادر و نایاب کے ذیل میں آتی ہیں۔

اپنے گھر میں وہ ان کتابوں میں ایسے گم رہتے ہیں جیسے یہ کتابیں ان کے جسم و جاں کا حصہ ہوں۔ حیرت اس پر بھی ہے کہ کم کتابیں ہیں جو تحفہ کی شکل میں ان کے گھر آئیں، معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ ساری کتابیں خرید کر جمع کی ہیں۔ جناب رفعت سروش نے صحیح کہا کہ اپنا تن پیٹ کاٹ کر کتابیں خرید کر پڑھنے اور جمع کرنے کا شوق تو اچھے اچھے صاحب ثروت لوگوں کے حصہ میں بھی نہیں آتا، پھر طرفہ تماشا یہ کہ ان کتابوں کا مطالعہ اور رجسٹروں میں ان کے اندراج کی تفصیل، ان کے حسن و قبح اور کمال و نقص کا اشاریہ جس طرح ہے اس کی مثال یقیناً کسی کتب خانہ یا ناظر کتب خانہ کے ہاں نہیں ہے۔ کتابوں پر ان کے حاشیے جہاں ان کے عمیق مطالعہ کے غماز ہیں وہیں کتابوں کی فہرست سازی میں ان کی جدت طبع بس دیکھنے کے لائق ہے۔ ان کو بھوپال کا خدابخش جس نے کہا، صحیح کہا اور جس نے ان کے مرتب کیے ہوئے کیٹلاگ کو دیکھا وہ ان کو بے مثال کے لفظ ہی سے تعبیر کرے گا۔ کتابوں کے نام، مصنف، ناشر، پریس، سنہ اشاعت، یہاں تک تو عام بات ہے لیکن کیفیت کا خانہ کس طرح ان فہارس کو خاص بناتا ہے اور یہ تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے کتنی اہمیت و افادیت کا حامل ہے۔ اس کے لیے شنید سے زیادہ دید کی ضرورت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عابدی صاحب ضرورت مند طلبہ اور محققین کو بغیر کسی معاوضہ کے یہ کتابیں پہنچاتے ہیں۔ علم و ادب کا شوق اور جنون کا اثر یہ ہوا کہ ہزاروں مشاہیر ادب کے خطوط بھی ان کے پاس ہیں۔ نایاب رسائل کی فائلیں اور خدا جانے کیا کیا کتابوں کے ان سالار جنگ نے جمع کر رکھی ہیں۔ کتابوں سے عشق کے علاوہ اردو کا درد ان کو بے چین رکھتا ہے، جب تک وہ آل انڈیا ریڈیو کے ایگزیکیٹیو انچارج رہے، اردو کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے رہے اب بھوپال میں ایک بار پھر اردو ثقافت و تہذیب کے لیے کوشاں ہیں کہ جس بھوپال کی پہچان کبھی اردو سے تھی، وقت کا تقاضہ ہے کہ اس کا احیاء ہو، اس کے لیے جس جذبہ و جنوں کی ضرورت ہے، عابدی صاحب اور ان کے دائرہ احباب میں اس کا نظر آنا نخل آرزو کے بارآور ہونے کی نوید ہے۔ بھوپال کی کشش میں قدرت کے شاہکاروں، مساجد اور بیگمات اور امراء و روساء کی یادگاروں کا بڑا حصہ ہے۔ مکتبہ عابدیہ کا درجہ یقیناً ان سے کم نہیں، اس کی ترقی اور اس سے استفادہ کی تمنا اور دعا کی جانی چاہیے۔

اخبار علمیہ

”فہم القرآن من المفسرین الی المسلمین“

اس عنوان سے ڈاکٹر مسعود صبری نے ایک مفصل مضمون المجتمع ۱۶/اکتوبر کے شمارہ میں لکھا ہے۔ جس کی چند مفید باتیں ہدیہ ناظرین ہیں۔ لکھتے ہیں کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کے ہر لفظ اور اس کی ہر آیت کو سمجھنے کے لیے تفسیروں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ قرآنی الفاظ کے لغوی و اشتقاقی معانی اور وہ مفاہیم جو علمائے تفسیر نے بیان کیے ہیں ان سے واقفیت کے بغیر فہم قرآن مشکل ہے۔ یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ سوچنے کا یہ انداز انسان کی فکر کو مغلق اور اس کے شعور وغور وخوض کی صلاحیت کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ وہ قرآن جس کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے نازل کیا وہ عوام الناس کو پورا کا پورا سمجھ میں نہ آئے یا اس کے تمام تر رموز و اسرار امت کے خاص طبقہ تک محدود ہو جائیں۔ یہ اللہ کی شان وحکمت سے بعید ہے۔ مقالہ نگار کے بیان کے مطابق اس ضمن میں دو فریق ہیں ایک افراط اور دوسرا تفریط کا قائل ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ قرآن کی ہر آیت کتب تفسیر کی طرف رجوع کیے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی دوسرا اس میں مبتلا ہے کہ ہر مسلمان کو اپنی مرضی ومنشا کے مطابق تفسیر کا حق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآنی آیات کو چار خانوں میں تقسیم کر کے اس مسئلہ کا حل پیش کیا ہے۔ پہلی قسم ان آیتوں کی ہے جو نہایت آسان ہیں جن کو سمجھنے کے لیے تفسیر کی ضرورت نہیں۔ دوسری قسم ان آیتوں کی ہے جن کو عربی قواعد نحو وصرف، معانی وبلاغت اور بیان وبدیع سے واقف شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ ایسے شخص کو قرآن کریم کے بڑے حصے کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ تیسری قسم ان آیتوں کی ہے جن میں تفسیر وتاویل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان آیتوں کو سمجھنے کے لیے عام لوگوں کا راسخین فی العلم یا کتب تفسیر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ قرآنی آیات کی چوتھی قسم وہ ہے جن کی صحیح تاویل کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس سلسلہ میں حروف مقطعات کو مثالاً پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیتوں کا علم راسخین فی العلم کو اور بعض آیتوں (جن کی تعداد تمام آیات قرآنی کے مقابلہ میں انتہائی کم ہیں) کی تاویل سے حقیقی واقفیت صرف اللہ کو ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ قرآن کا بیشتر حصہ عوام الناس سمجھ سکتے

ہیں۔اس لیے فہم قرآن کے لیے کتب تفسیر کی طرف رجوع کو واجب قرار دے کر اس سے اغماض برتنا مناسب نہیں۔(المجتمع ۱۶/۱ اکتوبر ۲۰۱۶ء)

”اے آئی“ کے متعلق اسٹیفن ہاکنگ کا بیان“

عالمی شہرت یافتہ سائنس داں اسٹیفن ہاکنگ نے ”آرٹیفیشل انٹلی جنس“ کے متعلق کیمبرج یونیورسٹی میں اپنے ایک خطاب میں کہا ہے کہ مصنوعی ذہانت سے لیس مشینیں انسانیت کے لیے قیامت خیز ثابت ہوسکتی ہیں اور اس ٹکنالوجی کو ترقی دینا انسانوں کے خاتمے کا باعث بن سکتا ہے۔اس میں کوئی شبہہ نہیں اس کے فوائد بے شمار ہیں تاہم اس کے مضر اثرات سے بچنے کے لیے اہم اقدامات بھی ضروری ہیں۔انھوں نے کہا کہ امراض اور غربت کے خاتمہ کے لیے تو اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے تاہم زندگی کے ہر شعبہ کو اس کا حصہ بنانے سے اس وقت تک گریز کرنا چاہیے جب تک ہم اس کے خطرات پر قابو پانا نہ سیکھ لیں۔سائنس داں نے اپنے خطاب میں یہ اہم اور قابل توجہ بات بھی کہی کہ اگر قابو نہیں پایا گیا تو مستقبل میں ”اے آئی“ خود اپنے آپ کو تشکیل دے گی اور اس وقت اس کا براہ راست تصادم انسانوں سے ہوگا اور یہ انسانیت کے لیے بدترین ثابت ہوگا۔(دی ٹرتھ انٹرنیشنل ۲۰/۱ اکتوبر ۲۰۱۶ء)

”مادری زبان کی ناقدری“

پاکستان میں ۱۲ کروڑ سے زیادہ لوگوں کی مادری زبان پنجابی ہے،ایسے میں ایک نجی اسکول کے پرنسپل نے کہا کہ پنجابی ”بری زبان“ ہے اس لیے بچے اس کا استعمال نہ کریں۔اس جملہ نے ان دنوں سوشل میڈیا میں طوفان بپا کررکھا ہے۔اور ہر طرف سے اس جملہ پر تنقیدیں ہورہی ہیں۔یہ بات بالکل سچ ہے کہ اس زبان میں بڑی تیزی سے گراوٹ آئی ہے اور وہ عدم توجہ کا شکار ہے،بیکن ہاؤس اسکول سسٹم نے معافی مانگتے ہوئے کہا ہے کہ جس شاخ کے پرنسپل کے حوالہ سے یہ ہدایت جاری کی گئی تھی ان کے لکھنے کا طریقہ غلط تھا اور وہ وضاحت کے اصولوں کا لحاظ نہیں کرپائے۔انھوں نے مزید کہا کہ پاکستان میں کئی زبانیں بولی جاتی ہیں مگر ہمارے تعلیمی نظام میں اس قدر جھول ہے کہ یہ زبانیں دم توڑتی جارہی ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ صرف علاقائی زبانوں کے وجود پر تلوار لٹک رہی ہے بلکہ سرکاری زبان ”اردو“ کے معاملہ میں بھی یہی رویہ ہے۔دراصل جو پرائیوٹ اسکول تیزی سے ملک میں ابھر

رہے ہیں ان کی نظر اس طبقہ پر ہے جو مغربی طرز حیات کی جانب بڑی رشک کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ پاکستانی پنجابیوں کی ایک افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اپنی مادری زبان کی طرف حقارت سے دیکھتے ہیں اور کئی شہری خاندان پنجابی میں گفتگو کرنے والے اپنے بچوں کو ڈانٹتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ گنوار پن کی علامت ہے۔ اگر شاندار تہذیبی روایتوں کو محفوظ اور باقی رکھنا ہے تو ہمیں اپنے رویہ میں تبدیلی لانا ہوگی۔ (دی نیشن، پاکستان)

''دنیا کی پہلی فضائی سرکاری ڈاک''

دنیا کی پہلی فضائی سرکاری ڈاک ۱۸؍فروری ۱۹۱۱ء کو الہ آباد سے نینی روانہ کی گئی۔ پائلٹ کا نام ہنری پیکوئٹ تھا۔ جہاز میں کل ۶۰۰۰،۵ خطوط تھے۔ خبر کے مطابق برٹش کمانڈر والٹر جی وندھم اس وقت شہر میں تھا۔ الہ آباد کے پریڈ گراؤنڈ میں اس کی نمائش کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا، لوگوں میں اس وقت عجیب جوش وخروش تھا۔ لیٹر کے متعلق پہلے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اس کا وزن ½ سے ½۲ چھٹانک سے زیادہ نہ ہو۔ خطوط پر جواہر لال نہرو، کنگ جارج پنجم اور متعدد مہاراجاؤں کے پتے تھے۔ جہاز جو پچاس ہارس پاور کا تھا۔ پانچ بجے شام، ۱۲۰-۱۵۰ فٹ کی اونچائی پر ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑا اور مطلوبہ مقام نینی جنکشن پر ۱۳ منٹ میں پہنچ گیا۔ پیکوئٹ کا جہاز جب وہاں اترا تو وہاں ڈاک کے ملازمین کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اس نے خطوط کا بیگ ان کے حوالے کیا اور واپس لوٹ گیا۔ اس تاریخی واقعہ کی خاص بات یہ ہے کہ خطوط بھیجنے والوں سے فی خط چھ آنے وصول کیے گئے تھے اور یہ پوری رقم نئے ہاسٹل کی تعمیر کے لیے حاصل کی گئی تھی۔ (ٹائمس آف انڈیا ۱۵؍اکتوبر ۲۰۱۶)

''اوم امین کی ذہانت''

برطانوی نوعمر بچہ اوم امین کی ذہانت آئن اسٹائن اور اسٹیفن ہاکنگ سے بھی آگے ہے۔ اس نے ہائی آئی کیو سوسائٹی مینیسا کے ٹسٹ میں ۱۶۲ پوائنٹ زیادہ حاصل کیے ہیں۔ جو ان دونوں ممتاز ترین سائنس دانوں کی ذہانت کی سطح سے زیادہ ہے۔ یہ شمالی لندن کے سوامی نرائن اسکول کے درجہ ۶ کا طالب علم ہے۔ اس کو منیسا کی طرف سے اعلیٰ ترین ذہانت کی سند بھی دی گئی۔ (روزنامہ خبریں ۱۵؍اپریل ۲۰۱۶)

ک،ص اصلاحی

وفیات

آہ! مولانا مفتی محمد ظہور ندویؒ

(۱۹۲۷-۲۰۱۶ء)

افسوس کہ ندوۃ العلماء کے نائب ناظم اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے المعہد العالی للقضاء والافتاء کے سربراہ مولانا مفتی محمد ظہور ندوی ۲۵/ستمبر کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حیات مستعار کے قریب نوّے سال انہوں نے پورے کیے۔ ۲۵/فروری ۱۹۲۷ء ان کی تاریخ پیدائش ہے اعظم گڑھ کے ایک گاؤں سکھٹی یاسٹی میں پیدا ہوئے اور بالآخر لکھنؤ کی خاک کا حصہ بن گئے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء کا رخ کیا وہاں سے رشتہ خدمت و وفا ایسا مستحکم ہوا کہ قریب بہتر سال کی زندگی ندوہ کے نام ہوگئی۔ طالب علم سے معلم ہوئے، نائب مفتی، مفتی، نائب مہتمم، کلیۃ الشریعہ کے عمید، شعبہ تعمیر و ترقی کے ناظر اور پھر ندوۃ العلماء کے نائب ناظم کے عہدوں پر فائز ہو کر لیاقت و صلاحیت کے مدارج طے کرتے گئے۔ علم و عمل کی ایسی سرگرم و متحرک زندگی کے بعد بھی ان کی صفت بے نیازی اور مستور الحالی، ان کی اور تمام خوبیوں پر غالب رہی۔ مستور الحال رہنے کی یہ طبیعت اور یہ مزاج ہر ایک کو نصیب بھی نہیں ہوتا۔ برسوں انتظار کے بعد ایسی شخصیت کا ظہور ہوتا ہے جس کو دیکھ کر نگاہ منتظر کہہ اٹھتی ہے کہ ع خاموش صورت گل، مانند بو پریشاں

مفتی صاحب کی سب سے بڑی شناخت علم فقہ میں ان کی مہارت و بصیرت تھی۔ شرعی احکام و مسائل میں ان کی رہنمائی اور اس کے لیے حالات زمانہ پر گہری نظر نے ان کو ندوۃ العلماء کے اس فقہی سلسلۃ الذہب کی سب سے روشن کڑی بنا دیا تھا جو عبارت ہے مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مفتی عبداللطیف رحمانی، مولانا شبلی فقیہہ جیراج پوری اور مفتی محمد سعید ندوی رحمہم اللہ سے۔ آخر الذکر دونوں حضرات مفتی ظہور صاحب کے خاندانی بزرگ بھی تھے۔ مفتی محمد سعید تو ان کے بہنوئی اور مولانا شبلی فقیہہ مفتی سعید صاحب

کے نانا تھے۔ اس طرح وہ ندوہ اور اپنے خاندان کے حقیقی علمی وارث ہوئے۔ انہوں نے اس وراثت کو جس امانت داری سے سنبھالا وہ اب ایک تاریخ ہے کہ قریب ساٹھ سال میں ان کے ہزاروں شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہوئے، جن کا فیضان ہندوستان اور اس کے بیرون تک جاری ہے۔ دوسری طرف پچاس سال سے زیادہ کے عرصہ میں ان کے فتاوی کی تعداد لاکھوں کی ہے۔ مفتی صاحب مرحوم کی زندگی کی سرخ روئی اور کامرانی کے لیے یہی کافی ہے لیکن شاید یہ سب ان کے لیے کافی نہ تھا۔ ان کی بظاہر خاموش اور شور شرابہ سے دور تدریسی زندگی کی بے کرانی کا یہ منظر نہایت حیرت انگیز ہے کہ وہ انتظامی اور تعمیراتی مشاغل میں یکساں طور پر شامل رہے۔ طلبہ کی نگرانی کا فریضہ شاید ہی اتنی طویل مدت تک کسی اور نے انجام دیا ہو۔ دارالعلوم کے مسائل ہوں یا جدید تعمیراتی منصوبے ہوں ان کے بغیر گویا کسی کام کا تصور ہی محال رہا۔ وہ ندوہ جیسے عظیم ادارہ کی ناگزیر ضرورت تھے، یہ ان کی کرامت ہی کہی جائے گی، لغوی اور اصطلاحی دونوں طرح سے برحق لیکن مختلف النوع خصوصیات کے یکساں ظہور کی سب سے بڑی کرامت ہم عامیوں کے لیے ان کی زندگی کے وہ طور طریق تھے جن کو اب اگلوں کے حالات ہی میں پڑھا جا سکتا ہے۔ سادگی، ظاہر داری سے بے نیازی اور نمائش و نمود سے نفور نے واقعی ظہور صاحب کی کتاب زندگی کا سرعنوان عدم ظہور رکھ دیا۔ خصوصاً آج کے ماحول میں جہاں ایک مومن کے لیے ماحولیاتی آلودگی نے شب و روز کو اس لیے گراں کر دیا کہ نظارہ، دین و دولت کی قمار بازی کا عام ہے۔ نفس درازی کے چلن میں بندہ عمل مست جیسے ناپید ہوں۔ ایسے میں جاہ و منصب، جاگیر و جائداد اور مال و دولت کی ضرب و زد سے مفتی صاحب نے جس شان سے اپنی حفاظت کی وہ وہی فقیری ہے جس سے مومن کی امیری دیکھی اور سمجھی جا سکتی ہے۔ ان کے زہد و استغنا اور اخفائے حال کی کیفیات ان کے جاننے والوں پر مخفی نہیں بالکل اسی طرح جیسے ان کی فقہی بصیرت کا اعتراف عام ہے کہ وہ مسائل اور ان کے حل کی چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا تھے۔ ندوہ کے فتاوی کی دو تین جلدیں شائع ہوئی ہیں ان میں مفتی صاحب کے فتوؤں اور جوابوں کا اندازہ بھی ان کی شخصیت کی طرح اوروں سے جدا ہے، وہ مختصر ترین الفاظ میں سائل کو مطمئن کرنا جانتے تھے۔ ایک سوال آیا کہ ظہر، عصر کی نماز بالسّر کیوں پڑھی جاتی ہیں اور باقی نمازیں بالجہر کیوں؟ جواب آیا کہ سرّ اور جہر اصلاً تو یہی حکم ہے، ہم اس کے مکلف ہیں، عام مصلحت یہ ہے کہ رات کے وقت شور و ہنگامہ ختم ہو جاتا ہے اور

سکون ہوجاتا ہے تو بلند آواز سے پڑھنا زیادہ موزوں ہے، دن میں شور و ہنگامہ رہتا ہے، آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں تو اس وقت سراً پڑھنا زیادہ موزوں رہتا ہے۔ سائل کی ذہنی سطح کا اندازہ لگا کر اس کو مطمئن کرنے میں مفتی صاحب کو کمال حاصل تھا۔ ان کا ایک اور کمال جو مستور الحال رہا وہ قلم کے ذریعہ اظہار خیال کی قدرت کا تھا۔ تصنیفات کی گرم بازاری میں ان کے نام سے کوئی کتاب نہیں لیکن ان کی تحریر جتنی ٹھوس اور گٹھی ہوتی تھی اس کی ایک جھلک فتاوی ندوۃ العلماء کے پیش لفظ سے دیکھی جا سکتی ہے۔ معارف نے اپنے تبصرہ میں اس کا ذکر کیا تھا اور یہ حیرت بھی ظاہر کی تھی کہ کاش مفتی صاحب کا زہد بالقلم کچھ دیر کے لیے اس دولت وثروت کے اظہار کی بھی اجازت دے دیتا۔ ان کے کسی مضمون کا ایک اقتباس نظر سے گزرا اور دل میں اتر گیا کہ ''دنیا کی ساری چیزوں میں ایک تو ذات ہے، مادہ ہے، اصل ہے، دوسری چیز اس کی صفت اور کیفیت اور تاثیر ہے۔۔۔ مرد مومن اپنی ذات کے اعتبار سے گوشت وخون کا مجموعہ ہے، ہڈیوں اور اعصاب کا جال ہے، اصل اور ذات و مادہ کے اعتبار سے وہ کوئی زیادہ قابل قدر اور اعلیٰ وارفع نہیں بلکہ اپنی صفات، تاثیرات، کیفیات ہی کے لحاظ سے اعلی وارفع ہے۔ اگر ان صفات کے برعکس صفات ہوئیں تو حکمت کا تقاضا اور فطرت کا قانون ہے کہ اس کے وجود کو ختم کیا جائے، ضائع کیا جائے''۔

مفتی صاحب کے تواضع، انکسار، قناعت، سادگی، بے غرضی اور خوش مزاجی کی باتیں، ان کے جاننے والوں کی یادوں کا حصہ بنتی رہیں گی۔ جناب مولانا سید محمد رابع ندوی ناظم ندوۃ العلماء کی رفاقت شاید سب سے طویل عرصہ پر محیط ہے۔ مولانا نے ان کو مخلص و باوفا کے الفاظ سے خاص طور پر یاد کیا۔ پچاس ساٹھ سال کی رفاقت کی استواری و پائیداری کے لیے یقیناً اخلاص و وفا مطلوب ہے۔ ورنہ زندگی کے نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے جہاں دلفریب موڑ آتے ہیں وہیں کچھ مقامات آہ و فغاں کی موجودگی بھی بعید از امکان وقیاس نہیں ہوتی۔ اخلاص اور وفا یہی مومن کامل کی پہچان ہے اور عنداللہ قبولیت کی علامت بھی ہے جس کا ایک ظہور مفتی صاحب کے جنازہ کی غیر معمولی شان کی شکل میں سامنے آیا۔ وہ جو زندگی بھر قلندری وفقیری کے اسرار ورموز کی گرہ کشائی کرتا رہا اس بندہ بے ریا کا دنیا سے اس کروفر سے رخصت ہونا، عالم آخرت میں اس کے شاندار استقبال کی خبر خوش اثر ہی ہے۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ ع ۔ ص

ادبیات

نعت پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ڈاکٹر عمیر منظر*

سب سے عظیم دنیا کے انسان سے ہوا
عرفان حق پیمبر ذی شان سے ہوا

صادق امین کے سوا کچھ بھی نہیں کہا
اعلان دیں جو رفعت فاران سے ہوا

دین نبیؐ کا سارے زمانے میں غلغلہ
صدیقؓ سے عمرؓ سے اور عثمانؓ سے ہوا

عزم و عمل کا حکمت و دانش کا حوصلہ
حضرت علیؓ کی جرأت ایمان سے ہوا

عز و شرف کا صرف ہے تقویٰ پہ انحصار
یہ علم ہم کو صاحب قرآن سے ہوا

نعت رسولؐ لکھنے کا منظرؔ ہے فائدہ
رشتہ ہمارا حضرت حسانؓ سے ہوا

غزل

پروفیسر احمد محفوظ**

دیکھے جو ایک بار رخ یار کی طرف
پھر عمر بھر نہ جائے وہ گلزار کی طرف

ہو دیکھنا جسے مژۂ یار کی طرف
دیکھے وہ پہلے خنجر خونخوار کی طرف

اپنی جگہ سے ہم نہیں اٹھے یہ سوچ کر
دل ہے تو خود ہی جائے گا دلدار کی طرف

کس کے نصیب جاگنے والے ہیں کیا خبر
رہ رہ کے دیکھتے ہیں وہ تلوار کی طرف

اس در پہ کون ہے کہ وہاں سے کوئی صدا
آ آ کے لوٹ جاتی ہے دیوار کی طرف

میلان طبع یار عجب ہے کہ ان دنوں
اپنوں ہی کی طرف ہے نہ اغیار کی طرف

اقرار کی دکھا کوئی صورت کہ اے خدا
منھ پھیر کر وہ بیٹھے ہیں انکار کی طرف

رحمت تری سہارا بنی ورنہ حشر میں
کوئی نہیں تھا مجھ سے گنہگار کی طرف

محفوظؔ تخت گاہ قناعت ہے اور ہم
کیوں اٹھ کے جائیں اب کسی دربار کی طرف

---

* شعبہ اردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی، لکھنؤ کیمپس، لکھنؤ۔
** جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔

غزل

جناب جمیلؔ مانوی*

ذرا سا حسن تغافل جو التفات میں ہے
کبھی خوشی ، کبھی غم مصرف حیات میں ہے

بس اک اشارے سے موسم بدل گئے دل کے
یہ کیسا جادو تری چشم التفات میں ہے

یہ رنگ و نور کی بارش ، یہ اعتدال و جمال
اسی کے دست تصرف سے کائنات میں ہے

نہ جانے کتنے ستاروں کی نور افشانی
ترے کرم سے مری زندگی کی رات میں ہے

یہ تیرے پیار کی دولت یہ میرا ذوق سلیم
یہی متاع مرے دامن حیات میں ہے

کلی نہ پھول نہ شبنم نہ چاندنی نہ شمیم
مگر بلا کی کشش عمر بے ثبات میں ہے

رباعیات

ڈاکٹر ظفر کمال**

اس ساری تگ و دو کا حاصل ٹھہرا
ہاں ہاں وہی مقتدائے کامل ٹھہرا
میں کیوں نہ کروں ہاتھوں پہ اس کے بیعت
ساقی ہی مرا شیخ واصل ٹھہرا

ہر آن رہے دل میں خیال ساقی
آنکھوں کی طلب صرف جمال ساقی
کہتے ہیں کڑے کوس کی منزل اس کو
آسان سمجھتے ہو وصال ساقی

بینا ہے تو اندھوں کی بستی سے نکل
تو ، مست ہے کیا جھوٹی مستی سے نکل
دربار میں ساقی کے پہنچنا ہے اگر
زنار کو توڑ بت پرستی سے نکل

سُر ساگر ہے دل کی نَے کا دریا
لہریں اس کی جیسے لَے کا دریا
مستی کے نغمے اس میں پوشیدہ
ساقی کا دریا ہے مَے کا دریا

اپنی راہیں جدا بنانے والے
مر جائے گا دوا بنانے والے
ساقی تک تو کیا پہنچے گا ، اپنی
خواہش کو ہی خدا بنانے والے

افسانے دلآویز اسی سے ہوں گے
پیمانے بھی لبریز اسی سے ہوں گے
ہر وقت لگایا کر ساقی کی رٹ
جذبات ترے تیز اسی سے ہوں گے

---

* ۴۳۰، گریس اکیڈمی، نور بستی، سہارنپور۔
** شعبۂ فارسی، زیڈ، اے، اسلامیہ کالج، سیوان، بہار۔

مطبوعات جدیدہ

فتاویٰ علمائے ہند (اول، دوم، سوم): ترتیب، تحقیق، تعلیق: مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی، قدرے بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۵۷۲، ۵٦۰، ۵۹۴، قیمت ہر جلد ۵۵۰/روپے، پتہ: منظمۃ السلام العالمیہ بی/ ۲۰۱، بلال باغ، الماس کالونی روڈ، کوسا، ممبرا، تھانے، ممبئی ۴۰۰٦۱۲، اور نشر و اشاعت امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ ۸۰۱۵۰۵۔

ضرورتوں اور پیچیدہ معاملوں میں شرعی احکام و مسائل سے واقف ہونے اور واقف کرانے کا عمل اسلام کی ابتدا سے ہے۔ درحقیقت انسانی تاریخ میں پہلی بار اسلام کی برکت سے اس عمل کا دخل ہوا، دنیا کے کسی مذہب یا معاشرہ میں استفتا اور فتویٰ کا ایسا منظم و مسلسل وجود نہیں ملتا، معاشرہ کو دین سے باخبر رکھنے کی یہ روایت علم و شعور میں اضافہ کے ساتھ معاشرہ کو درست، پاک اور خوش گوار رکھنے کی اسلامی سوغات ہے اور اسلامی معاشرہ کی اہم شناخت بھی، ہر دور میں امت کے علماء نے قرآن و حدیث کو اصل اصول کے طور پر پیش نظر رکھ کر امت کی مشکلوں کو آسان بنانے کی کوششیں کیں۔ فتاویٰ کی صورت میں اسلامی کتب خانوں میں ہر دور اور ہر معاشرہ کی گویا ایک تاریخ موجود و محفوظ ہے۔ خود ہندوستان میں فتاویٰ کے مجموعے، مفصل اور مجمل شکل میں ملتے ہیں، ان مجموعوں کو حاصل کرنا اور پھر ان کے تمام مسائل کو یکجا کرنا بظاہر ناممکن ہے۔ لیکن اس کو ممکن کرنے کی خواہشیں اور کچھ ناتمام کوششیں ہوتی رہیں۔ زیر نظر کاوش غالباً تکمیل و اتمام کی بشارت دیتی ہے، ہمارے سامنے اس نہایت وقیع کوشش کی ابتدائی تین جلدیں ہیں جن میں چالیس سے زیادہ کتب فتاویٰ کے مشمولات کو جمع کیا گیا ہے۔ بتایا گیا کہ گذشتہ دو سو برس کے مجموعہ ہائے فتاویٰ کو اس میں شامل کیا گیا، اصل غرض و غایت اور اس منصوبہ کی راہ میں درپیش مشکلات، انتخاب فتاویٰ میں معیار اور انتخاب کی مشکل کا اندازہ تو فاضل مرتب کے طویل مقدمہ سے ہوتا ہے۔ اس میں طریقہ انتخاب کی

وضاحت بھی ہے، خیال رکھا گیا کہ اندراج میں تکرار نہ ہو۔ ہر فتویٰ کے سوال و جواب کو مکمل طور پر بعینہ لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے ساتھ ہی خیال رکھا گیا کہ کسی کا حوالہ، حاشیہ میں نہ رہ جائے۔ پہلی جلد میں ایک نہایت مفصل و بسیط مقدمہ ہے جس میں قرآن حکیم، سنت، اجماع، قیاس، اجتہاد، اتباع، فقہ و تصوف، تدوین فقہ، فقہ کے ادوار، افتا و استفتا کی اور مفتی کی اہمیت و صفات، فتویٰ کے احکام و آداب کے متعلق بہترین معلومات ہیں، پھر برصغیر کے علماء کی فقہی خدمات، دارالافتاء، کتب فتاویٰ، مفتیان کرام کا محققانہ تعارف ہے۔ اور یہ بجائے خود ایک ضخیم کتاب کے برابر ہے۔ کتاب الطہارۃ سے اصل کتاب شروع ہوئی اور ہمارے سامنے تینوں جلدیں اسی کتاب الطہارہ ہی کے بیان میں ہیں۔ اس عظیم الشان کام یا کارنامہ کو موسوعہ فتاویٰ ہی کہنا زیادہ صحیح ہے جمع کا کام خود ہی کار فرہاد ہے، اس پر مستزاد حوالوں، حاشیوں اور تخریج و تعلیق کی فراواں فراہمی، یہ پورا مجموعہ تو غالباً ستّر اَسّی جلدوں میں آئے۔ فاضل مرتب اور ان کے معاونین کے لیے ہماری چشم حیرت ہی نہیں لب ہائے دعا بھی وا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمت و صحت سے نوازے، دعائیں تو مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی اور ان کی المجلس العالمی للفقہ الاسلامی کے لیے بھی ہیں، جن کے اہتمام سے یہ بے نظیر کارنامہ، امت کے سامنے ہے۔ کم از کم ہر دینی مدرسہ و ادارہ و کتب خانہ میں اس مجموعہ فتاویٰ کی موجودگی ضروری ہے۔

پرسہ : جناب ندیم صدیقی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۴۲۴، قیمت ۴۰۰/ روپے، پتہ: اپلائیڈ بکس ۱۷۳۹/۱۰ (بیسمنٹ) نیوکوہ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

ندیم صدیقی ان اہل قلم میں ہیں جن کے نام سے ان کی تحریروں کو پڑھنے کا شوق ہوتا ہے، زیر نظر کتاب میں ان کی وہ تحریریں ہیں جو بعض مسافرین آخرت کی یادوں کی شکل میں ان کے قلم سے نکلیں، اپنی باتوں کو انھوں نے ''پرسہ'' کا نام دیا اور یہ سمجھ کر دیا کہ پرسہ ایک طرح کی یاد دہانی بھی ہے کہ اس دنیا میں گزران کے کامیاب طریقے اور سلیقے کیا ہیں۔ انھوں نے جن کو قریب سے دیکھا اور پرکھا، ان کے جانے کے بعد ان کی یادوں کے نقوش اس طرح ابھرے کہ اوروں کے

لیے ان کا ذکر ایک عہد کے گزر جانے کا پرسہ بن گیا۔ ندیم صاحب نے ممبئی میں قلم کو اپنا پیشہ یا تیشہ بنایا اور ایک عمر کوہ کنی میں گزار دی۔ اس عمل میں جو ان سے زیادہ قریب سے گزرے جیسے فنا نظامی، آوارہ سلطان پوری، ظ۔ انصاری، قیصر الجعفری، خواجہ احمد عباس، مقبول فدا حسین وغیرہ ان کے جینے کی وہ ادائیں جو دل کو بھا گئیں۔ وہی اس پرسہ کا سرمایہ ہیں۔ فنا نظامی سے احمد مرزا جمیل تک، ایک وسیع کینوس پر زندگی کے کیسے کیسے رنگ آ گئے ہیں۔ ایک جگہ یہ جملہ ہے کہ جو شاعر حقیقتاً غزل کا شعر کہنا جانتا ہے اس کے لیے نثر میں شعریت پیدا کر لینا معمولی سی بات ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ندیم صاحب شاعر ہیں یا نہیں لیکن ان کی نثر میں شعریت کا قائل ہونا پڑتا ہے اور اس بصیرت کا بھی جس کی کمی کا شکوہ، بہت سے صاحبان نظر سے کیا جاتا رہا ہے۔ انجم فوقی کے ذکر میں ایک جملہ ہے کہ ''رہی شہرت کی بات تو ہم نے نہ جانے کتنے شور سمندر قسم کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جب ان پر مٹی پڑی تو پھر شہرت بھی خاک بن کر اڑ گئی''۔ ڈاکٹر ظ۔ انصاری کے ذکر کے آخر میں یہ جملے بھی غضب کے ہیں کہ ''۔۔۔ اک ندا سنی، میاں ندیم تم اپنے چھوٹوں کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرتے ہو،۔۔۔ کم بخت ہمارا دماغ قابو میں کہاں رہتا ہے۔۔۔ فوراً بول پڑا، ڈاکٹر صاحب اب چھوٹے پیدا ہی نہیں ہوتے''۔ نوا لکھنوی کے پرسہ میں لکھا کہ ''ان کے فن وادب کا پرسہ کس کو دیں، اردو اکادمی کو یا اردو کو۔۔۔ پرسہ اس زبان کو اور اس کے ان تمام مظلومان ادب کو دیتے ہیں جو غیرت کی دولت سے مالا مال ہیں اور کسی سیاست، شہرت بلکہ ہر لالچ سے دور اخلاص سے بھرپور، زبان وادب کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں''۔ کتاب میں پرسہ کے علاوہ کچھ تحریریں بھی ہیں جو اردو ٹائمز کے لیے لکھی گئیں، روزمرہ کے واقعات جو قوم وملت کی اصل زندگی کا عکس بھی ہوتے ہیں۔ ندیم صاحب کی نظر میں یہ عکس ایسے اترے کہ یہ تحریریں قومی بے حسی اور تہذیب ومعاشرت کے مرگ کا بھی پرسہ بن گئیں۔ کتاب کا اصل تعارف تو خود اس کا مطالعہ ہے اور یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ کتاب اپنے قارئین سے ایسا رشتہ قائم کرتی ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

ع۔ ص

رسید کتب موصولہ

استاذی ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ اور ان کے شفقت نامے: از ڈاکٹر مختار شمیم، انتساب پبلی کیشنز، سیفی لائبریری، سرونج۔
قیمت: ۲۵۰/روپے

الرحلات الحجازیہ و مناھج کتابھا فی العصر الحدیث: از محمد واضح رشید الحسنی الندوی، مکتبہ احسان مکارم نگر، لکھنؤ۔
قیمت درج نہیں

انسان کیسے کیسے: از پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی، مرتب ڈاکٹر فخر عالم ندوی، حبیب منزل، میرس روڈ، علی گڑھ۔
قیمت: ۳۰۰/روپے

ائمہ اربعہ، حیات اور علمی و فقہی خدمات: از مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، کمال بک ڈپو، متصل مدرسہ شمس العلوم گھوسی، مئو۔
قیمت: ۴۲۵/روپے

بساط غزل (باسطؔ بھوپالی کی شخصیت اور شاعری پر مضامین): مرتب کوثر صدیقی، زیب ولا 79-A کنوری، بھوپال۔
قیمت: ۹۶/روپے

تذکرۂ شورش: غلام حسین شورش، مرتب ڈاکٹر محمود الٰہی، مترجم محمد عاصم اعظمی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
قیمت: ۱۹۸/روپے

تذکرۂ مورخین: از چودھری نبی احمد سندیلوی، مرتب ضیا فاروقی، ایم، ایچ، کے، آئی، ٹی، سی، رفیقیہ اسکول روڈ، بھوپال۔
قیمت: ۹۶/روپے

جامع مسانید الامام الاعظم (اول، دوم): الامام ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکفور، اعظم جرہ۔
قیمت درج نہیں

عربی زبان و ادب سے متعلق عربی اور اردو مقالات: از پروفیسر مقصود احمد، امرین بک ایجنسی، جمال پور احمد آباد، گجرات۔
قیمت: ۲۴۰/روپے

علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں: از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، ترتیب عبدالہادی اعظمی، مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔
قیمت: ۱۱۰/روپے

محفل دانشوراں: از عارف عزیز، مرتب مرضیہ عارف، ملا رموزی سنسکرتی بھون، بان گنگا روڈ، بھوپال۔
قیمت: ۱۵۰/روپے

مقالات ریاض شروانی: از پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی، مرتب ڈاکٹر ابوذر متین، حبیب منزل، میرس روڈ، علی گڑھ۔
قیمت: ۴۰۰/روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-	موازنہ انیس و دبیر	100/-
سیرۃ النبیؐ		اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	100/-
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-	سفر نامہ روم و مصر و شام	200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی		کلیات شبلی (اردو)	180/-
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-	کلیات شبلی (فارسی)	45/-
الفاروق	300/-	مقالات شبلی اول (مذہبی)	100/-
الغزالی	200/-	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	
المامون	175/-	مقالات شبلی دوم (ادبی) 〃	70/-
سیرۃ النعمان	300/-	مقالات شبلی سوم (تعلیمی) 〃	80/-
سوانح مولانا روم	80/-	مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) 〃	200/-
شعر العجم اول	150/-	مقالات شبلی پنجم (سوانحی) 〃	150/-
شعر العجم دوم	130/-	مقالات شبلی ششم (تاریخی) 〃	90/-
شعر العجم سوم	125/-	مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) 〃	100/-
شعر العجم چہارم	150/-	مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) 〃	110/-
شعر العجم پنجم	120/-	خطبات شبلی مرتبہ: عبد السلام ندوی	80/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-	انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی		مکاتیب شبلی اول 〃	150/-
الکلام	230/-	مکاتیب شبلی دوم 〃	190/-
علم الکلام	180/-	شذرات شبلی مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
November 2016 Vol- 198 (5)
RNI. 13667/57 **MA'ARIF** AZM/NP- 43/016
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

تصانیف و مطبوعات شبلی صدی تقریبات

نمبر	کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دارالمصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	علامہ شبلی نعمانی تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350/-
۶۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۷۔	حیات شبلی (جدید)	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۸۔	مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۹۔	حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۱۰۔	شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۱۔	شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۲۔	متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۳۔	یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۴۔	رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۵۔	اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-
۱۶۔	تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	300/-
۱۷۔	مراسلات شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	150/-